باغِ دودر میں شامل

غالب کے فارسی خطوط

کا اردو ترجمہ

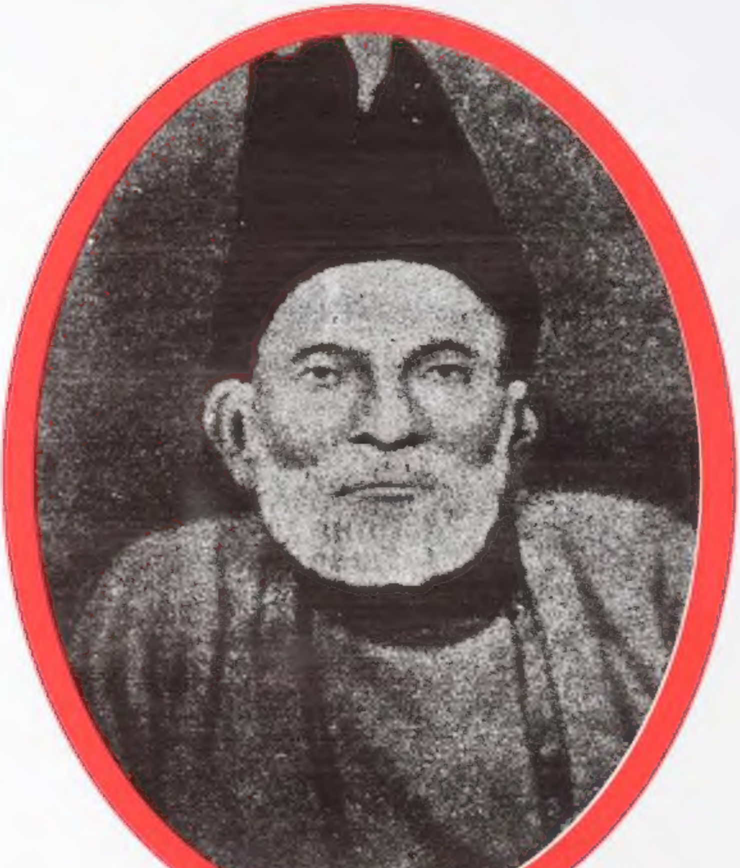

فارسی متن، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ

مرتب و مترجم پرتو روہیلہ

باغِ دودر میں شامل

غالب کے فارسی خطوط کا

اردو ترجمہ

مرتب و مترجم پرتو روہیلہ

بزم علم و فن پاکستان / انٹرنیشنل

دارالاشاعت

ادب برائے معاشرتی انقلاب

لَاشَیٔ غَیۡرُ القَوۡلِ وَالقَلَمۡ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ناشر .... دارالاشاعت بزم علم وفن پاکستان (مرکزی)
مطبع .... ایریز پرنٹرز راولپنڈی، ۵۵۳۹۹۴۳
سرورق .... محمد علی
خط نگار .... تسلیم اختر
ترتیب دار .... ثنا اکبر

سنہ ۲۰۰۰ء

ISBN. 969-8488-20-0

رابطہ

بزم علم وفن پاکستان (انٹرنیشنل)
۱۱۔ شان پلازہ بلیو ایریا، اسلام آباد
فون: ۲۲۷۹۳۱۵۔ فیکس: ۲۲۹۷۱۲۴ پوسٹ بکس ۱۹۳۵
E-mail: Farzeed@hotmail.com

BAZM-E-ILMO-FANN INTERNATIONAL
27, St. Quentin Rise, Bradway, SHEFFIELD, S17 4PR - U.K.
Phone: 0114-2351239
E-mail: (i) Mehwar@aol.com (ii) Khalmeed@aol.com

[redacted]پے 10 پاؤنڈ 20 ڈالر امریکی

بسم الله الرحمن الرحيم

ابتدائیہ

پرتو روہیلہ کی سیمابیت ان کی شخصیت کا ایک مسلمہ خاصہ ہے جو میدان شاعری میں پشتو ٹپوں اور اردو دوہوں سے لے کر غزل اور نظم تک محیط اور ہر صنف میں اپنی انفرادیت اور ابتکار فکر کا مظہر ہے۔ اردو نثر میں جب انہوں نے سفرنامہ امریکہ سے ابتدا کی تو ہم سمجھتے تھے کہ وہ شاعری کا منہ سلونا کر رہے ہیں ان کا ہدف اردو انشاپردازی نہیں۔ لیکن جب یکا یک ادارۂ یادگار غالب کراچی نے بڑے توصیفی کلمات کے ساتھ نامہائے فارسی غالب کہ غالب کے سفر و قیام کلکتہ کے دوران لکھے گئے فارسی خطوط کا پہلا مستند ترجمہ ہے چھاپی تو ایک لمحے کو انہوں نے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ کس سمت جا نکلے ہیں۔ وہ مآثر غالب اور متفرقات غالب کا ترجمہ ادارۂ یادگار غالب کی فرمائش پر پہلے ہی کر چکے ہیں لیکن ان کی طباعت کا انتظار کئے بغیر انہوں نے "باغ دودر" کے فارسی خطوط کا ترجمہ بھی مکمل کر کے اس ادارے کو یہ شرف بخشا کہ غالب شناسی کے باب میں وہ بھی اپنا فرض ادا کرے۔ سو بزم علم و فن بڑے فخر و مسرت کے ساتھ "باغ دودر" میں شامل غالب کے ان فارسی خطوط کا ترجمہ پیش کر رہی ہے۔ پرتو روہیلہ نے پہلے نامہ ہائے فارسی غالب اور اب "باغ دودر" کے فارسی خطوط کا ترجمہ کر کے ایک بار پھر ترجمے کے باب میں ایک ایسے اسلوب کی راہ نکالی ہے جو متن سے قریب ترین ہونے کے سبب غالب کے طرز فکر ہی کا نہیں ان کے انداز نگارش کی بھی سو فیصد عکاسی کرتا ہے اور اس لئے ان غالب شناسوں کے لئے جو فارسی سے نابلد ہیں ایک نایاب تحفہ ہے۔ امید ہے ہماری یہ پیش کش اردو ادب کے سنجیدہ طالب علموں کے ذوق ادب کی عموماً اور غالب شناسوں کے مذاق طلب کی خصوصاً آبیاری کرے گی۔

ناظم دارالاشاعت

میں اپنی اس حقیر کاوش کو

انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ

مطاعی ومخدومی مشفق خواجہ

کے نام معنون کرتا ہوں

پرتو روہیلہ

فہرست

★ دیباچہ ____ ۷
★ پیش گفتار ____ ۹
★ خطوط کا اردو ترجمہ ____ ۱۹
★ خطوط کا فارسی متن ____ ۱۱۷
★ مکتوبِ الیہم کے سوانح ____ ۲۰۷
★ فرہنگ ____ ۲۲۴
★ مصنف کے متعلق مشاہیر کی چند آرا ____ ۲۳۹

★

دیباچہ

غالبؔ ایک مشکل شاعر اور ایک بہت مشکل فارسی نثر نگار ہے۔اس کے کلام نظم ونثر کا بڑا حصہ فارسی زبان میں ہے جس کا سماجی چلن خود اس کے زمانے ہی میں کم ہو رہا تھا۔تفہیم غالبؔ کے لئے فارسی پر عالمانہ عبور ضروری ہے۔غالبؔ کے ابتدائی محققین ذولسانی ادبا تھے اس لئے ان کے لئے غالبؔ شناسی بہت آسان تھی۔بیسویں صدی میں غلام رسول مہرؔ قاضی عبدالودود، وزیرالحسن عابدی ڈاکٹر سید عبداللہ اور مولانا امتیاز علی خان عرشی نے غالبؔ کی فارسی نثر کے حوالے سے اہم علمی کام انجام دیئے۔پچھلے پچاس برس میں پاک و ہند میں فارسی پر مزید زوال آیا اور غالبؔ شناسوں میں فارسی کا رجحان کم ہوتا گیا۔دساتیر کے جعلی فارسی ذخیرۂ الفاظ کی آمیزش نے غالبؔ کی نثر کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے۔اب تو حالات اور بھی نازک ہو چکے ہیں۔اس وقت درس گاہوں میں جو نسل پروان چڑھ رہی ہے وہ اردو سے بھی آشنا نہیں رہی۔آج ہم اس نسل کے لئے تحقیق کی آسانی پیدا کرنے کی خاطر غالبؔ کے فارسی سرمایۂ علمی کو اردو میں میں ڈھال رہے ہیں۔دو چار برس بعد شاید ان کے اردو کلام نظم ونثر کو بھی انگریزی کا جامہ پہنانا پڑے گا کہ اگلی نسل اردو سے بھی نابلد ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

پرتوؔ روہیلہ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی دسترس رکھتے ہیں۔پچھلے کئی برس سے وہ غالبؔ کے فارسی ذخیرۂ علمی وادبی کو اردو شناسوں سے متعارف کرانے میں مشغول ہیں۔انھوں نے غالبؔ کے فارسی خطوط کے مجموعوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کا عزم کیا ہے۔ترمذی کے مرتبہ خطوط نامہائے فارسی غالبؔ کا ترجمہ وہ پہلے ہی کر چکے ہیں جو ادارۂ یادگار غالبؔ کراچی سے بڑے توصیفی الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔مآثر غالبؔ اور متفرقات غالبؔ کا ترجمہ بھی وہ کر چکے ہیں جو ادارۂ یادگار غالبؔ میں تا حال تشنۂ اشاعت ہے۔اب عابدی کی مرتبہ ''سبد باغ دودر'' کے نثری حصے میں شامل فارسی خطوط کے ترجمے کا کام بھی انہوں نے مکمل کر لیا ہے اور اس کو اس کے فارسی متن، حواشی، تعلیقات اور فرہنگ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

وزیرالحسن عابدی نے غالبؔ کی آخری کتاب ''باغ دودر'' کو اول دو قسطوں میں اورینٹل

کالج میگزین میں ۱۹۶۰۔۱۹۶۱ میں شائع کیا۔اس کی دوسری اشاعت کی نوبت ۱۹۶۸ء میں آئی جس میں تعلیقات کے علاوہ نثری حصے کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ پرتو روہیلہ صاحب نے کتاب کے ہر دو ایڈیشنوں کا تقابل کر کے دونوں کے اختلافات کی نشان دہی کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اس کی پہلی اشاعت کا متن زیادہ صحیح ہے اور دوسری اشاعت میں وہ احتیاط نہیں برتی گئی جس کی توقع عابدی جیسے غالب شناس سے تھی۔انھوں نے خطوط والے حصے کا فارسی متن بھی شامل کتاب کیا ہے۔ ان کا ترجمہ متن کے عین مطابق ہونے کے سبب مستند ہے۔انہوں نے عابدی صاحب سے اپنے ترجمے کے اختلافات کو بھی حواشی میں ظاہر کیا ہے لیکن بڑی احتیاط کے ساتھ۔غرض وہ اپنے اس مقصد میں کہ فارسی سے ناآشنا قارئین خطوط غالب کے اسلوب وآہنگ سے بھی آگاہ ہوسکیں پوری طرح کامیاب ہیں۔

پرتو روہیلہ ایک پختہ مشق شاعر ہی نہیں فارسی زبان پر عالمانہ دسترس رکھنے والے عالم بھی ہیں۔تفہیم غالب کے حوالے سے ان کی مساعی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔غالب کی ادق نثر کو اردو دان احباب کے لئے پانی بنا کر پیش کرنے کا یہ عمل کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔جدید نسل ماضی سے اپنا رشتہ توڑ چکی ہے اس کے لئے آسان راستہ یہی ہے کہ اسے اردو کے حوالے سے ماضی کے ورثے کی بازیافت پر آمادہ کیا جاسکے۔پرتو روہیلہ نے یہی کیا ہے۔غالب شناسوں کی صف میں ان کی آمد نے ایک اچھے فارسی دان کا اضافہ کیا ہے جن کے ترجموں پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ان کے ذوق نظم سے غالب فہمی کی روایت میں بیش از بیش اضافہ ہوا ہے۔وہ لفظوں کی باریکیوں کو جانتے ہیں اور اپنے مطالعے کے زور پر غالب کے طرز احساس کو گرفت میں لے سکتے ہیں۔یہی ان کا کمال فن ہے جس سے ہمیں مستقبل میں غالب کے حوالے سے ادب کی روایت کی تشکیل میں روشن امکانات نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالوحید قریشی

☆

پیش گفتار

سبد چین ۱۸۶۷ء کے دیباچے میں غالبؔ نے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ اگر اس کے بعد کوئی کلام ہوا بھی تو وہ اس کو قلم بند نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود اپنے ایک شاگرد منشی ہیرا سنگھ کھتری کی فرمائش پر انہوں نے سبد چین کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ ایڈیشن شائع نہ ہو سکا لیکن خوش قسمتی سے ۱۹۴۱ء میں وہ مخطوطہ کہ جو مصنف کے لئے تیار کیا گیا تھا اور جو تا حال فرد ہے اور جس کی کتابت غالبؔ کی زندگی ہی میں شروع ہوگئی تھی، سید وزیر الحسن عابدی کو ان کے برادر گرامی علی مصطفیٰ عابدی کی "فراخدلی" کی بدولت دستیاب ہوا۔ چنانچہ سید وزیر الحسن عابدی نے اس قلمی نسخے کو جس کی " تالیف ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۸۶۶ء تا ۴ مئی ۱۸۶۷ء ہے" پہلی بار دو اقساط میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شائع کیا۔ اس کی پہلی قسط جو صفحہ ۱ تا ۹۲ پر مشتمل ہے اگست ۱۹۶۰ء میں اور دوسری جو صفحہ ۹۳ سے ۱۸۸ تک ہے، اگست ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ○۔ اس کی دوسری طباعت پنجاب یونیورسٹی کی صد میں سالگرہ پر جولائی ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ ○○

پہلی اشاعت کے دیباچے میں جو موسوم بہ "چشم انداز" ہے وزیر الحسن عابدی صاحب باغ دودر کے بارے میں فرماتے ہیں " یہ کتاب مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کے ادبی آثار میں آخری یادگار ہے اور چونکہ ان کی نظم و نثر دونوں پر مشتمل ہے "باغ دودر" کے نام سے موسوم ہے۔ چونکہ اس کتاب کی تالیف کا آغاز ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اس کا تاریخی نام "سبد باغِ دودر" رکھا گیا۔ اس نام سے ۱۲۸۳ کے عدد برآمد ہوتے ہیں جو اس کی ترتیب

○ اورینٹل کالج میگزین کی دونوں قسطیں کتابی صورت میں بھی یک جا شائع ہوگئی ہیں۔ ناشر: اظہار سنز۔ ۵/۱۲۰ ٹمپل روڈ لاہور (بحوالہ غالبؔ کا علمی سرمایہ' ڈاکٹر سید معین الرحمٰن طبع دوم لاہور ۲۰۰۰ء صفحہ ۵۳۸)

○○ اس پر سال طباعت جولائی ۱۹۶۸ء درج ہے لیکن اسے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صد سالہ جشن تاسیس کے یادگار موقع پر ۱۹۷۰ء میں شائع کیا گیا۔ (بحوالہ غالبؔ کا علمی سرمایہ۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن طبع دوم لاہور ۲۰۰۰ء صفحہ ۵۴۰)

کا ہجری سال ہے اور بقول غالبؔ کے "ایں نام لطفے دیگر دارد"۔

"میں اس زمانے میں دہلی یونیورسٹی کی طرف سے ہندوپاک کے اس نابغۂ روزگار پر تحقیق میں مصروف تھا۔ ۱۹۴۱ء میں یہ مخطوطہ 'جو مصنف کے لئے تحریر کیا گیا تھا اور تاحال فرد ہے' دریافت ہوا۔ اس سے پیشتر یہ نسخہ کسی کی دسترس میں نہیں تھا بلکہ لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں تھا کہ غالبؔ نے "باغ دودر" کے نام سے کوئی تخلیق چھوڑی ہے بجز اس کے کہ راقم نے اپنے ایک مقالے میں جو ماہنامہ "آج کل" کے فروری ۱۹۴۷ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا' غالبؔ کے "باغِ دودر" کے شائع شدہ دو نظم پاروں کے ذریعے اس فراموش کردہ تخلیق کا ایک مختصر سا تعارف کرایا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد جناب مالک رامؔ نے بھی "ذکر غالبؔ" کے لئے نئے ایڈیشن میں اس مقالے ہی کی بنیاد پر "باغِ دودر" کو آثار غالبؔ میں شامل کیا۔ اور اسی طرح جناب امتیاز علی خان عرشیؔ نے بھی اس نایاب مخطوطے کو مجھ سے لے کر اور ملاحظہ کر کے اپنی معروف تالیف "مکاتیب غالبؔ" میں "سبد چین" غالبؔ کے نئے نسخے کے طور پر غالبؔ کی تالیفات میں شامل کیا۔ اس کے کافی عرصے بعد غلام رسول مہرؔ نے بھی جو مجھے ہمیشہ "باغِ دودر" کی طباعت کی ترغیب دیا کرتے تھے اپنی تخلیق "خطوط غالبؔ" میں باغِ دودر کا یکے از آثار غالبؔ تذکرہ کیا۔ اور اس ہی طرح رفتہ رفتہ ادبی حلقے اس حقیقت سے آشنا ہوئے کہ یہ غالبؔ کی آخری تخلیق ہے"۔

"رہے باغِ دودر کے مشتملات و مضامین اور ان کے مسائل و مطالب تو ان کو ہم نے ایک علیحدہ باب کی صورت سے تحقیق نامے کے نام سے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں متن کتاب کے حواشی کہ توضیحات املا اور تنقیحات جزئی بابت کلمات و جملات پر منحصر ہیں خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ دراصل مخطوطہ زیر نظر کی تحریر خط نستعلیق میں ہے اور بہت صاف اور واضح ہے اور اس کا بیشتر حصہ جیسا کہ تحقیق نامے میں واضح کر دیا گیا ہے ترمیم و اصلاح کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں اس کے متن کی درستی اور

اصلاح میں چنداں تردد نہیں ہوا اور نہ ہی دوسرے نسخوں کی ضرورت پیش آئی"۔

"یہاں اس تخلیق کے تعارف کے طور پر مختصراً یہ بھی عرض کرنا مناسب ہوگا کہ اس تخلیق میں منظومات کی قبیل میں جو "سبد چین" میں پہلے ہی شامل ہو چکی ہیں، ۱۲۰ نئے اشعار ہیں جن میں دس قطعات، ایک مثنوی، ایک قصیدہ، ایک غزل، ایک مخمس تضمینی، ایک فرد اور دو رباعیات ہیں۔ حصہ نثر میں سات نثریں، دیباچہ و تقریظ کی صورت میں ایسی ہیں جو کلیات نثر فارسی میں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ساٹھ ایسے خطوط ہیں جو کلیتاً نئے ہیں اور اس کتاب سے پہلے کسی جگہ دستیاب نہیں۔ ان میں سے گیارہ (۱۱) ان کے شاگرد ہر گوپال تفتہ، تیرہ (۱۳) بنام احمد حسین خان میکش اور تیرہ (۱۳) بنام جواہر سنگھ جوہر ہیں۔ باقی ماندہ خطوط ان کے دوسرے چودہ (۱۴) معاصرین کے نام ہیں اور یہ خطوط جو کتاب کے بیشتر حصے پر پھیلے ہوئے ہیں اپنی ادبی اہمیت سے نکل کر تاریخی حدود میں داخل ہو چکے ہیں اور واحد ماخذ ہونے کے سبب غالب کی سوانح پر محیط ہیں"۔

"باغ دودر" کی دوسری کتابی اشاعت میں وزیر الحسن عابدی "ترتیب نامہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"اس سے پہلے "باغِ دودر" راقم نے مجلّہ دانشکدۂ خاور شناسی دانش گاہ (یونیورسٹی اورینٹل میگزین) میں دو قسطوں میں شائع کی تھی۔ پہلی قسط میں کتاب کا حصہ نظم ۱۹۶۰ء میلادی مسیحی میں اور دوسری قسط میں حصہ نثر ۱۹۶۱ء میلادی مسیحی میں طبع ہوا تھا۔ لیکن تحقیق نامۂ باغِ دودر جو تعلیقات پر مشتمل ہے اور تیسری قسط کے طور پر چھپنا تھا ابھی مطبع کو نہیں دیا گیا تھا کہ کالج کی طرف سے فیصلہ ہوا کہ باغِ دودر ادارے کے جشنِ صد میں میں سالِ تاسیس (بسال ۱۹۷۰ء) کی یادگار مطبوعات کے سلسلے میں مستقل کتاب کے طور پر شائع کی جائے۔ چنانچہ تحقیق نامہ کو تیسری قسط کے طور پر چھاپنے کی بجائے کتاب کی اس دوسری اشاعت میں شامل کر کے پیش کیا جا رہا ہے"۔ چنانچہ پہلی طباعت کے مقابلے میں کہ کل ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے دوسری طباعت ۲۷۴ صفحات پر محیط ہے اور مندرجہ

ذیل حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ متن باغِ دودر از غالبؔ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۸ صفحات

۲۔ فہارس باغِ دودر از مرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۴

۳۔ تحقیق نامہ باغِ دودر از مرتب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۴۰

اصل کتاب سے پہلے فہرستِ مندرجات (صفحہ نما اور دیباچہ طبع اول و ثانی از مرتب وغیرہ) کے صفحات اس کے علاوہ ہیں۔

باغ دودر کے پہلے حصے (صفحہ ۳۔۹۲) میں بہ تفصیل ذیل منظومات ہیں۔

۱۔ قطعات (تعدادی)۔۔۔۔۔۔۴۵

۲۔ ترکیب بند۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱

۳۔ ترجیع بند۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱

۴۔ مثنویات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲

۵۔ قصائد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۷

۶۔ غزلیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۱

۷۔ فردات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۶

۸۔ رباعیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰

۹۔ تخمیس (بر غزل قدسی)۔۔۔۔۔۔۱

دوسرا حصہ جو منثورات پر مبنی ہے' مختلف اصحاب کے نام غالبؔ کے ساٹھ خطوں (صفحہ ۱۱۳۔۱۹۷) کے علاوہ مندرجہ ذیل سات نثری تحریروں (صفحہ ۹۳۔۱۱۲) پر مشتمل ہے۔

۱۔ دیباچہ قاطعِ برہان

۲۔ دیباچہ ثانی جدید

۳۔ تقریظ قاطع برہان

۴۔ دیباچہ مثنوی ابر گہربار

۵۔ تقریظ مثنوی ابر گہربار

۶۔ تقریظ سفرنگ دساتیر (نجف علی)

۷۔ تقریظ بر کتاب دری کشا (نجف علی)

"باغ دودر" کے بعد "فہارس باغ دودر" کے عنوان سے بشرح ذیل وزیر الحسن عابدی کے مرتب کردہ اشاریے ہیں۔

(الف) اسامی والقاب اشخاص	صفحہ ۳۔ ۱۳
(ب) اسامی جغرافیائی	" ۱۴۔۱۶
(ج) اسامی کتابہاو روزنامہ ہا	" ۱۷۔۱۸
(د) مطالب مہم یعنی (جدول مکاتب مہم در مکاتبات باغ دودر)	" ۱۹۔ ۲۸
(ہ) غلط نامہ	" ۲۹۔۴۱
(و) اندراجات جو متن کے حواشی میں شامل ہونے سے رہ گئے	" ۴۲۔۴۴

آخر میں "باغ دودر" پر وزیر الحسن عابدی صاحب کی قیمتی تعدیقات ہیں۔ "تحقیق نامۂ باغ دودر" کے عنوان سے ان تعدیقات کی صفحہ بندی "باغ دودر" کے متن سے علیحدہ اور مستقل ہے۔ یہ گویا بجائے خود مطالعۂ غالبؔ کی سلسلے کی ایک الگ اہم اور یادگار تالیف لطیف ہے۔ تحقیق نامے کی ترتیب اس طرح ہے۔

(الف) تلخیص مکاتبات "باغ دودر" بزبان اردو	صفحہ ۳۔۱۲۲

شروع کے دو خط تلخیص کے انداز میں ہیں۔ باقی تمام اردو خطوط فارسی خطوط کی ہو بہو ترجمے ہیں۔ خط میں جو مذکورات قابل توضیح یا مبہم ہیں ان کے لئے قلابین میں توضیحی یا تشریحی الفاظ اس طرح درج کئے گئے ہیں کہ عبارت کا جزو بنا کر پڑھے جا سکیں۔

مطالعے اور حوالے کی سہولت کے لئے ہر خط کے مضمون کو ترتیب وار مناسب عبارتوں میں تقسیم کر کے عبارت کا ترتیبی شمارہ قائم کیا گیا ہے اور عبارت

کے اختتام پر قلابین میں اصل فارسی خط کی سطور کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

(ب) تعلیقات کے تحت صفحہ ۲۲۳ سے ۲۴۰ تک حصہ نظم سے متعلق تحقیقی اشارے اور تبصرے ہیں۔ ہر نظم کے ماخذ متعلقہ یادداشت کے ختم پر قوسین میں درج کر دیئے گئے ہیں۔

"باغ دودر" کے حصہ نثر کی تعلیقات اور ماخذ کی تفصیل کتاب میں شامل نہیں ۔یہ کسی اگلی فہرست میں شامل کی جا سکینگی۔

اب چند ضروری باتیں زیرِ نظر ترجمے کے متعلق۔ "نامہ ہائے فارسی غالبؔ" "متفرقاتِ غالبؔ" اور "ماثر غالبؔ" کے بعد جب قرعۂ فال "باغ دودر" کے مکاتیب کے ترجمے کے نام پڑا تو اس کا پہلا بنیادی سبب تو یہ تھا کہ میرے ذہن پر دوسرے لوگوں کی طرح یہ تاثر تھا کہ ان مکاتیب کا روایتی ترجمہ تاحال نہیں ہوا۔ اور اس کا وہ ایڈیشن جو وزیر الحسن عابدی کے تحقیق نامہ و تعلیقات کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کی صد میں سالگرہ پر ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے وہ غالبؔ کے فارسی خطوط کی تلخیص پر مشتمل ہے یعنی روایتی ترجمہ نہیں۔ بلکہ "باغِ دودر" کے اس ایڈیشن کو دیکھ کر یہ تاثر یقین میں بدل گیا چونکہ "باغ دودر" کے تحقیق نامے کے باب میں بڑے جلی حروف میں "ترتیب" کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہیں "باغ دودر کے خطوط کی اہمیت کی بنا پر ان کے مضامین کی ترتیبی تلخیص کو جو اردو میں پیش کی جارہی ہے اس تحقیق نامے میں مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد منظومات اور منثورات پر تحقیقی تبصرے اور اشارات ہیں"۔ چونکہ تلخیص ہی اس ضمن میں فیصلہ کن سبب تھا اور یہی اس بات کی ضمانت دیتا تھا کہ اس میدان میں کارگزاری کی گنجائش ہے' اس لئے یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ "باغ دودر" کے فارسی خطوط کا ترجمہ کیا جائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ استاذی و مکرمی وزیر الحسن عابدی کے نام نامی کو دیکھ کر ہی ہمت جواب دے دیتی۔ لیکن کام شروع کرتے ہی متضاد انکشافات ہونے لگے۔ یعنی تحقیق نامے کی ترتیب کے مندرجہ بالا اعلان سے پہلے ضمیمہ ترتیب نامہ کے صفحہ ک پر یہ الفاظ پڑھنے پڑے۔ "شروع کے دو خط

تلخیص کے انداز میں پیش کرنے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ تحقیقی مقاصد کے لئے بہتر ہوگا کہ ہر اصل خط کو تمام وکمال اردو میں سامنے لایا جائے اس لئے باقی تمام اردو خطوط فارسی کی ہو بہو ترجیع ہیں"۔ اس حیرت انگیز تضاد کا صدمہ ابھی ذہن سے محو نہیں ہوا تھا کہ اگلے چار چھ صفحات کے مطالعے نے بتایا کہ یہ اعلان بھی حقیقت پر مبنی نہیں۔ دراصل روایتی ترجمہ تیسرے خط کے پانچویں پیراگراف سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی تیسرے خط کے چار پیراگراف بھی تلخیص کے انداز میں ہیں۔ البتہ اس کے بعد سے آخر تک مرتب کا قول کافی حد تک صحیح نظر آتا ہے۔

استاذی و مکرمی وزیرالحسن عابدی کے ترجمے کو صحیح معنی میں بامحاورہ کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً

ا۔ "حضرت سلامت رافت نامہ کہ از جے پور بال روانی کشودہ بود بدل فریبی و امید افزائی نہ تنہا غم از دل بلکہ دل از من ربود" ترجمہ۔ حضرت سلامت تفقد نامہ جے پور سے آیا اور میرے لئے غم زدا اور دل ربا بن کر آیا۔

۲۔ "پیش ازیں جنبش خامہ در پردۂ ساز نگارش ایں نوا داشت کہ آہنگ حجاز دارند" ترجمہ۔ اس سے پہلے جناب نے خط میں لکھا تھا کہ سفر حجاز کا قصد ہے۔

۳۔ "اغلب کہ حضرت نیز زود نہ دیر از آگرہ بہ ٹونک رہگرائی شوند و چوں بداں خجستہ منزل رسند ایں نامہ از نظر گزرد" ترجمہ۔ شاید جلد ہی آپ بھی آگرے سے ٹونک روانہ ہونے والے ہوں اور وہاں پہنچ کر یہ عریضہ آپ کی نظر سے گزرے۔

۴۔ "آئینہ پیش رو نہادم و بسر پیچیدم و کلہ بر اسمان فگندم و ہم بدیں صورت کہ گفتم بہ نامہ نگاری رو آوردم" ترجمہ۔ آئینہ سامنے رکھا اور بصد فخر سر پر باندھ کر یہ عریضہ لکھنا شروع کیا۔

۵۔ "آنکہ در والا نامہ رقم زدۂ کلک اعجاز طراز بود کہ طیلسان ناخواستہ فرستادہ می شود اگر از بندہ گستاخی حل فرمائند بر ہانے می توانم آورد کہ ناخواستہ گفتن درمیان نہ گنجد" ترجمہ۔

آپ نے تحریر کیا ہے کہ یہ چادر مانگے بغیر بھیجی جا رہی ہے۔ گستاخی نہ ہو تو یہ کہوں کہ بے مانگے نہیں ملی ہے۔

لیکن اس ترجمے کے برعکس زیر نظر ترجمہ لغوی اور لفظی اور حتی المقدور متن کے عین مطابق ہے۔ اگرچہ اس ترجمے کی اپنی قباحتیں اور مشکلات ہیں لیکن ان مقاصد کے تحت کہ جو اس ترجمے کے محرک ہیں یہی ضروری تھا۔ غالبؔ جیسے باکمال شاعر اور انشا پرداز کی نثر سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قاری اس لطیف اور پر پیچ طرز اظہار سے بھی آشنا ہو جس کی ہر ترکیب میں کوئی بانکپن اور ہر فقرے میں کوئی اچھوتا خیال نظر آتا ہے۔ قاری تک زبان و بیاں کی لطافت اور طرز اظہار کی رسائی اسی طور ممکن تھی۔

یوں تو ہر زبان کے مترجم کو کچھ مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے لیکن فارسی کے مترجم کے لئے اور خصوصاً ہندوپاک کی قدیم فارسی کے مترجم کے لئے کچھ مشکلات مخصوص ہیں۔ پہلی مشکل تو یہ ہے کہ فارسی میں اردو کی ضمیر ''آپ'' کا کوئی مخصوص متبادل نہیں۔ لفظ شما آپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور تمہارے لئے بھی لہذا مترجم کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت سیاق و سباق کو ذہن میں رکھ کر ترجمہ کرنا ہوتا ہے ورنہ ذرا سی بے احتیاطی ترجمے کو غیر حقیقت پسندانہ بنا دیتی ہے۔ چنانچہ زیر نظر مکتوبات کا ترجمہ کرتے ہوئے اگر مترجم یہ خیال نہ رکھے کہ مکتوب الیہ کے غالبؔ سے تعلقات کی کیا نوعیت تھی یعنی وہ خوردی بزرگی کے تعلقات تھے یا با تکلف تو اس کا ترجمہ درست نہیں ہوگا۔ اس مشکل کو غالبؔ کا طرز تحریر اور بھی زیادہ مشکل اس وجہ سے بنا دیتا ہے کہ وہ بعض اوقات ایک ایک جملے میں دو دو ضمیروں کو بے تکان استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ایک ہی جگہ شما بھی ہے اور اس ہی جگہ تو بھی ہے اور پھر قدیم احترام و تکلف کا طرزِ تحریر مستزاد جو ضمیر جمع غائب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور غالبؔ ایک ہی سانس میں اس کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ سو مترجم حیران ہوتا ہے کہ ترجمے میں کون سی ضمیر اور کہاں استعمال کرے۔ مثلاً

۱۔ ''از نگاشتہ ہائے شما کہ بہ رائے جی می رسد چناں می تراود کہ ہوائے سوداگری

می دارند"

۲۔"من بشمای گویم کہ زنہار گمان مکنید کہ ایں نگارش از باب مناظرہ است من بر عقیدۂ خویش دلیل می آورم بلکہ خبر دادن محض است۔ نخواستم کہ معلوم من بر شما مجہول ماند۔ برائے خدا اگر بالفرض از من آزردہ اند خطائے مرا بیامرزند و از جرم من درگزرند"

۳۔"دیوان شما کسوت انطباع در بر کرد و طراز انجام یافت۔ اکنوں انچہ می گویند چہ خواہند کرد مگر نقشے دیگر انگیزند و طرح دیوان ثانی ریزند۔ تحیر تم کہ ملول چرانید۔ کدام حلقۂ دام است کہ آہنگ گسستن آں دارند"۔

۴۔"برخوردار اقبال نشان میر احمد حسین از اسد اللہ دعا خوانند و یقین دانند کہ از جانب شما سخت نگرانی داشتم۔ ہرگاہ کہ سعادت و اقبال نشان میر مہدی نزد من آمد نہ بہ ہمزبانی دیگر گفتگوئے شما رفت بیشتر از شما رنجیدم کہ از رام پور چرا خط نہ نوشتند"۔

بہر صورت ان قباحتوں کے باوجود کوشش کی گئی ہے کہ زبان کی ساخت و طریقہ اظہار اور گویندہ و نگارندہ کے اپنے اسلوب بیاں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ترجمہ حتی الامکان متن کے عین مطابق ہو۔

القاب و آداب کا بھی من و عن لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے اور جہاں جہاں مناسب تھا مترادفات دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی الف ندائیہ بھی ترجمہ کر کے ہٹا دیا گیا ہے کہ عبارت ہموار اور بار بط ہو جائے۔ ان القابات کے ساتھ عربی کے روایتی دعائیہ کلمات از قسم طال عمرہ'دام برکاتہ' وغیرہ کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں عابدی صاحب کے ترجمے سے ایک خاص مدد لی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو توضیحاتی الفاظ فاضل مرتب نے قلابین [ ] میں لکھے ہیں ان کو بغیر کسی تصدیق و تحقیق کے من و عن اسی طرح ترجمے میں شامل کر لیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ غالبؔ نے لکھا ہے "نامۂ شما و منشور عطوفت مولانا در نورد آں بمن رسید"۔ عابدی صاحب کے ترجمے میں مولانا کے بعد قلابین میں سید رجب علی خان بہادر بھی لکھا تھا چنانچہ [رجب علی خان بہادر]

ترجمے میں اسی طرح قلابین کے اندر لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ تحریر ہے۔ "حال عباس بیگ از تحریر شما پدید آمد"۔ عابدی صاحب نے ترجمے میں قلابین کے اندر [اپنے بھانجے مرزا] کے الفاظ عباس بیگ کے نام پر اضافہ کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ترجمے میں بھی یہ الفاظ اسی طرح شامل کر لئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ترجمے کو باربط اور رواں رکھنے کے لئے کہیں کہیں قوسین میں ایک آدھ لفظ بڑھا دیا گیا ہے۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے لئے متن میں کوئی لفظ موجود نہیں لیکن متن کے سیاق و سباق میں وہ مفہوم موجود ہے۔ مثلاً "چوں تقاضا نیست زودی چہ ضرور است" اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔ "جب (ادھر سے) تقاضا نہیں ہے (تو) جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ یا" مبادا در ہوسِ سود سرمایہ بباد دہند" اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ منافع کی ہوس میں (اپنا) سرمایہ (بھی) گنوا بیٹھیں۔

آخر میں چند کلمات غالبؔ کے اصولِ املا کے متعلق۔ چونکہ عنایت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخطوطہ وزیر الحسن عابدی کی وفات کے بعد ہمدرد یونیورسٹی کی ملکیت ہے اور اس تک کوشش کے باوجود میری رسائی نہیں ہو سکی اس لئے حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کاتب مذکور نے غالبؔ کے املا کے اصولوں کو کس حد تک ملحوظ خاطر رکھا۔ البتہ "باغِ دودر" کے فارسی خطوط کی دونوں طباعتوں کو دیکھ کر جو فاضل مرتب وزیر الحسن عابدی کے زیر نگرانی ہوئیں اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس بابت ان کے ذہن میں کبھی کوئی خیال نہیں گزرا تاہم ان کی فارسی دانی اور ایرانِ جدید کے اثرات کے طفیل اتنا ضرور ہوا کہ انہوں نے یائے مجہول کو کلیتاً متون سے نکال دیا یہاں تک کہ اردو کے لفظ 'ہے' کو 'ہی' بنا دیا اور ساتھ ہی قدیم عربی ہندسوں کو بھی جدید ایرانی شکل دے دی۔

☆..☆..☆

خطوط بنام منشی جواہر سنگھ جوہر

خط نمبر۱○

اے صاحب سعادت و اقبال، اپنی قسمت پر بھی آفرین کہتا ہوں اور تمہاری سعادت مندی اور الفت شعاری کی بھی تعریف کرتا ہوں کہ (بالآخر) تمہارا قلم میرے نام پر حرکت میں آیا۔ خط لکھنے میں تاخیر کرتے ہو اور اس فقیر کو بھی اور اپنے باپ کو بھی منتظر رکھتے ہو اور جانتا ہوں کہ مولانا کی خدمت میں کم کم ہی جاتے ہو۔ تمہیں علم نہیں کہ میں نے تمہیں ان کے سپرد کیا ہے! تمہیں چاہئے کہ مولانا کو لازمی میری جگہ شمار کرو اور اپنا بار ان پر ڈالو۔ جب یہاں تھے تو اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے اور (اپنے) کام اور گھر سے بے خبر رہتے تھے۔ میری صحبت کا سوائے سلیقہ شعر کے بھلا اور کیا حاصل تھا اور وہ بھی نہ دنیا کے کام کا اور نہ دین کے۔ مولانا سے وابستگی کیوں نہیں رکھتے ہو کہ عقل آئے اور (کوئی) ہنر سیکھو اور دانش مندی میں کسی مرتبے پر اور دنیا میں کسی حیثیت کو پہنچو۔

میجر صاحب کا جو احوال لکھا جا سکتا ہے سو اس قدر ہی ہے کہ ان کو ابھی تک میں نے قلعے کے فریبیوں کے دانہ و دام سے محفوظ رکھا ہے۔ اپنے مشاہدہ کی بنا پر (وہ) خود بھی ان لوگوں کے طور طریق سے قدرے دل برداشتہ ہو گئے ہیں اور جو تمہارا خیال تھا کہ (مشاعروں کے لئے) طرحیں دی جاتی ہیں اور میجر صاحب اور محمد ضیا الدین احمد خان بہادر غزلیں کہتے ہیں تو ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ع۔ خوں باد زبانے کہ باشعار بجنبد۔ ترجمہ۔ خون ہو جائے وہ زبان کہ جو اشعار کے لئے حرکت میں آئے

میجر [جان جاکوب] صاحب نے وہ جگہ کہ جہاں آکر اترے تھے چھوڑ دی ہے اور کوٹھی فیض طلب خان [فیض بازار ۔ دریا گنج] کرایہ پر لے کر وہاں سکونت اختیار کر لی ہے۔ جس دن سے کہ تم گئے ہو میں خود بھی بیمار ہوں شانے میں درد اٹھا اور جسم پر

○ طبع ثانی میں اس خط کا ترجمہ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔

(جگہ جگہ) زخم ہو گئے۔معذوری کے ساتھ زخم کے دیر سے بھرنے کی تکلیف بھی تھی۔تین ماہ تک صاحب فراش رہا یہاں تک کہ نواب امین الدین احمد خان بہادر کے مکان اور اپنی حرم سرا تک نہیں جا سکتا تھا۔ اب کہ وہ تکلیف رفع ہوئی اور وہ زخم ٹھیک ہوا ہے تو اس بڑھاپے میں میرے خون نے جوش مارا اور سارے جسم پر آسمان کے تاروں کی طرح دانے نکل آئے ہیں۔ سر سے پیر تک (جسم پر) سرخ چکتے پڑ گئے ہیں جن میں جلن ہے۔ حکیم امام الدین خان کی ہدایت پر فصد کھلوائی ہے اور شاہترہ سبز کا عرق مصفی پی رہا ہوں۔ دیکھئے آیندہ کیا ہوتا ہے اور انجام کار کیا۔ اس بیماری میں بھلا شعرگوئی کی تاب و تواں کہاں۔ البتہ ایک قصیدہ مولوی صدر الدین خان بہادر کی تعریف میں کہا ہے چنانچہ اس کی نقل ان اوراق کے ساتھ ہی مولانا[سراج الدین احمد] کی خدمت میں ارسال کی ہے۔ ان سے عاریتاً" لے کر نقل کر لیں۔ فارسی کا دیوان منشی نورالدین احمد کے پریس میں چھپ رہا ہے اور طباعت قصائد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک جلد تمہارے لئے بھی خرید لوں گا۔ تمہارا خط مرزا زین العابدین بہادر[عارف] کو دے دیا گیا ہے۔ اس وقت ایک پہردن چڑھا ہے۔ جمعرات کا دن ربیع الاول کی چوتھی اور مارچ کی تیرہ تاریخ ہے۔ تمہارے والد (بزرگوار) رائے چھجمل صاحب سلمہ' میرے پہلو میں بیٹھے ہیں اور میں ان سے باتیں کرتا اور خط لکھتا جاتا ہوں۔ وہ (بذات خود) تمہاری والدہ' تمہارا بھائی اور تمہاری بیوی بھی (سب) خیریت سے ہیں۔باقی سب خیریت ہے والدعا۔

○ خط نمبر۲

صاحب اقبال و سعادت رائے جواہر سنگھ جوہر (خدا کرے) عمر (دراز) و نیک بختی کا پھل کھائیں اور راقم مکتوب کو ہمیشہ اپنی یاد میں مشغول تصور کریں اور اپنے آپ سے راضی اور خوش سمجھیں۔ (انہوں نے) وہ خط جو اکبر آباد سے بھیجا ہے میں نے

○ طبع ثانی میں اس کا ترجمہ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔

اس کو جوش محبت میں آنکھوں سے لگایا ہے۔ اور یہ منسلک کر کے میں نے بھیجا ہے تو میرا مقصد یہی ہے کہ وہ اس راز کو پالیں اور سمجھ جائیں کہ میرے اور مولانا کے درمیان کوئی غیریت نہیں ہے اور اسداللہ مولوی سراج الدین کی شکل میں میری غمخواری کو اکبر آباد میں موجود ہے۔ برائے خدا مولانا کو مجھ پر قیاس کریں اور جس دل جوئی کی توقع مجھ سے رکھتے تھے بالکل اسی طرح ان سے رکھیں۔ دوسرے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ رائے چھجمل تمہارا باپ تمہارا عاشق ہے اور تمہاری جدائی میں غمگین۔ اکثر اوقات مجھ سے متوصل رہتااور تمہاری باتیں کرتا ہے۔اس نے جدائی اس وجہ سے منتخب کی ہے تاکہ تم (زندگی کا) طریق کار سیکھو اور روزگار کا تجربہ حاصل کرواور(زمانے کے) طور طریق کو سمجھواوراس طرح جب تجربہ کار ہو جاؤ تو بلند مراتب پر پہنچو۔اگر یہ سارےاغراض و مقاصد اور یہ سکون خاطر وہاں ممکن نہ ہو اور وقت مددگار نہ ہو تو اس شہر میں نہ ٹہرو اور واپس وطن آجاؤ۔ کبھی بھی تم اپنے باپ پر بوجھ نہیں ہو (اور) واپسی میں کوئی سبکی اور شرمندگی (بھی) نہیں ہے۔ میرے مشفق خانصاحب [ضیاالدین احمد خان] کا احوال تم نے پوچھا ہے۔ تمہیں شاید یاد ہو کہ وہ قدرے بیمار ہو گئے تھے اب اچھے ہیں۔ پرسوں کہ ہفتہ تھا حمام گئے اور غسل کیااور آزار جسم سے نجات پائی۔(فی الوقت) جو کام (ان کے) پیش نظر ہے اس کاکوئی سرپیر نظر نہیں آتا اور فدوی کے خیال کے مطابق تو وہ کام ہی بے سروپا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو گا اور جو کچھ بھی وجود پذیر ہو گا لکھ دونگا۔ رائے چھجمل کا خط جو تمہارے نام ہے اور جس پر پتہ نہیں میرے خط کے ساتھ ملے گا پڑھ لیجئے گا۔ دوسرے تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں اعتقادالدولہ نوروز علی خاں خواجہ سرا کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ بے مروت دریا کے راستے اکبر آباد گیا ہے اور آج تک کسی جگہ سے کوئی نامہ و پیام نہیں بھیجا۔ سخت افسردہ ہوں۔ چاہئے کہ شہر میں (آپ اس کو) تلاش کریں۔اگر کانپور روانہ ہو گیا ہے تو مجھے مطلع کریں اور اگر وہیں ہو تو اس سے رابطہ کریں اور میرا سلام پہنچائیں۔ اور اس کی خیرخیریت اس کے مستقبل کے پروگرام اور اکبر آباد میں قیام کی مدت معلوم کر کے مجھے لکھیں۔ اور اس خواہش پر میرا اصرار

سمجھیں اور اس خط کا جواب جلد ارسال کریں۔ والدعا۔

○ خط نمبر ۳

صاحب اقبال و سعادت رائے جواہر سنگھ کا (خدا کرے) آسمان مددگار اورمقدر مطیع ہووے۔ وہ خط کہ میرے ہزاروں خطوں کے جواب میں تھا پہنچا۔ اور (اس نے) دل غمزدہ کے دکھ کا مداوا کیا۔ ع۔ عمرت درازباد کہ ایں ہم غنیمت است۔ ترجمہ۔خدا تجھے طویل عمر دے کہ یہ بھی (ایک) انعام ہے۔اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ تجارت کی خواہش زائل ہو چکی ہے۔ اگر تمہارے والد نہیں چاہتے تھے کہ تم تجارت کرو تو اس بزرگ تجربہ کار کی خواہش بیجا نہیں ہے۔ بات بھی درست ہے۔ جب تک سرمایہ نہ ہو تجارت چلتی نہیں ہے اور منافع ہاتھ نہیں آتا۔ (صرف مال) دوکان کی گردش کے رہٹ سے امید رکھنا خشکی پر کشتی چلاتا ہے۔

خدا کا شکر ادا کریں کہ اب (آپ) رفتہ رفتہ ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں کہ آپ کا صاحب حیثیت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ دانائے یگانہ یعنی مولوی سید رجب علی خان کہ جو آج کل مرکز امید ہے' انسانیت کے جسم میں جان کی مثال ہے۔ ہرگز ہرگز اس کا دامن نہ چھوڑیں اور اپنا کام اس کے حوالے کر دیں۔

تم نے نظم و نثر میں سے کچھ ارسال کرنے کو لکھا تھا۔اس بات کے دو پہلو ہیں۔ یاتو یہ کہ مجموعہ نظم منشی نورالدین کے مطبع [دارالسلام ۔دہلی] میں چھپ کر وہاں پہنچ ہی چکا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس کے علاوہ اگر کچھ کہا ہے اور وہ بھیجوں تو یقین کریں کہ اس مجموعے کی طباعت کے بعد فتح پنجاب کی تہنیت کے قصیدے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اور اگر اس علاقے [پنجاب] میں کوئی میرا دیوان لے کر ہی نہیں پہنچاتو آپ کو چاہئے تھاکہ وہ دیوان مانگتے نہ کہ متفرق اشعار۔ بہرحال اگر لکھیں گے تو ایک نسخہ دیوان کا آپ کو ارسال کردوں گا کہ آپ میری طرف سے مولانا [سیدرجب علی] کی خدمت عالیہ میں پیش کر کے میری ارادت کا نقش(چوکھٹے) میں بٹھا

○ طبع ثانی میں اس خط کا کچھ خلاصہ ہے اور کچھ ترجمہ۔

دیں۔

○ تمہارا خط بنام صاحب اقبال مرزا زین العابدین خان بہادر[عارف] میرے پاس ہے۔ مکتوب الیہ نواب علی محمد خان (والی جھجر) کے ساتھ جھجر گئے ہوئے ہیں۔ جب ان کو خط لکھونگا تو تمہارا خط بھی انہیں بھیج دوں گا۔

تمہارے خط سے حضرت مولوی گل شاہ صاحب کی' خدا ان کو سلامت رکھے' خیریت معلوم ہوئی۔ حقیقتاً" تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ مجھے میرے دوست کی خیریت سے آگاہ کیا ہے۔میری طرف سے انہیں بہت بہت پوچھو میرا سلام ان کو پہنچاؤ اور میری نیازمندی کا اظہار کرو۔

آج کل لکھنؤ کا حال دگرگوں ہے۔ وہ بادشاہ [امجد علی شاہ] کہ جس کی شاگری میں کرتا تھا اور جس تک میرے دوست [اعتقاد الدولہ نوروزعلی خان] کی رسائی تھی اچانک فوت ہو گیا۔اس کا بیٹا جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا ہے بددماغ و بدرائے ہے۔اہل ہنود کے معبدوں کو ڈھانے کا حکم دے دیا۔ لازمی فتنہ و فساد برپا ہوناتھا۔شہر کے بدمعاشوں نے اس کے وزیر کو بازارمیں پکڑ لیا۔ تلوار کے دو تین وار کئے ادھ موا کر دیا اور اسی طرح نڈھال چھوڑ کر چلے گئے۔ گانے بجانے والوں کے علاوہ کسی سے رغبت نہیں' ہوشمندی و تدبر نام کو نہیں۔ طویل مدت چاہیے کہ یہ ہنگامہ فرو اور امن امان صورت پذیر ہواور(اس کے بعد) راجہ جوالا پرشاد اور اعتقاد الدولہ نوروز علی خان بہادر ابتدا سے کام شروع کریں اور سلسلہ جنبانی کریں اور فرمان طلب [دربار اودھ سے] میرے نام بھجوائیں۔

ماخانہ رمیدگان ظلمیم　　پیغام خوش ازدیار مانیست

ترجمہ۔ ہم ظلم کے (ذریعے) گھروں سے نکالے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمارے شہر سے کوئی خوشی کا پیغام (متوقع) نہیں۔

شہزادہ شاہ رخ کی موت پر حیرت و تعجب کااظہار چہ معنی دارد۔ کیا تمہارے

○ طبع ثانی میں اس خط کا اور دوسرے خطوط کا ترجمہ اس پیراگراف سے شروع ہوتا ہے۔

خیال میں شاہوں اور شاہزادوں پر موت کا بس نہیں چلتا!ہاں شاہ رخ شکار سے واپسی پر جب میرٹھ کے قریب پہنچا تو ہیضہ میں مبتلا ہو کر اسی علاقے میں فوت ہو گیا۔ اس کا جنازہ شہر میں لا کر اس کو کلاری باغ میں اس کی ماں کے مزار کے پائنتی دفن کر دیا۔

تم بھی کمال کرتے ہو مجھے خط لکھا لیکن یہ نہ لکھا کہ جب مین تمہیں خط لکھوں تو پتہ کیا لکھوں۔ اس بار یہ تحریر تمہارے والد رائے چھجمل کو دے رہا ہوں کہ اسے خط کے ساتھ بھیج دیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آیندہ آپ اپنی قیام گاہ کا پتہ لکھیں تاکہ میرا خط بغیر کسی واسطے کے تمہارے پاس پہنچے۔ دوسرے مجھے یہ بے چینی بھی ہے کہ بھلا پتہ لکھنے کی جگہ کو آپ نے میرے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کیوں کر ڈالا اور عرفیت و تخلص و چاہ و گذر کیوں لکھا؟ کیا آپ کو علم نہیں کہ فارسی اور انگریزی کے خطوط ہر مہینے دوچار میرے پاس ہر طرف سے آتے ہیں اور ان پر سوائے اس کے کہ دہلی میں اسد اللہ کو ملے اور کچھ نہیں لکھا ہوتا۔اگرچہ تمہارے خیال میں میں بے حیثیت اور گمنام ہوں اور عرفیت کے سوا اپنے نام کے لائق بھی نہیں لیکن دوسرے لوگ تمہارے خلاف مجھے نامور گردانتے ہیں۔ خاص طور پر ڈاکیے کہ جو میری کٹیا کے راستے سے واقف ہیں۔خط پر اگر صرف میرا نام ہو پھر بھی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بات تو تمہارے خط کے جواب میں ہوئی۔

اب یہ کہنا ہے کہ دل میں کسی وسوسے کو راہ نہ دیں اور اس دیار میں دربدر نہ پھریں۔اپنے نصیب کی سعادت (اس ہی میں) سمجھیں کہ حضرت مولوی معنوی سید رجب علی خان بہادر خدا ان کی برکات کو دوام بخشے کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ خدا کی قسم یہ یکتائے روزگار سخاوت و انسانیت میں خدا تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ افسوس کہ تم نے ان کے ارشادات شاہانہ تحریر کر کے بطور سوغات کے مجھے نہ بھیجے۔ تمہیں میری جان کی قسم ہے کہ جب یہ خط تمہیں مل جائے اور اس کو پڑھ لو تو آستین (غلاف) میں رکھ کر اس بلند نظر یعنی مولوی سید رجب علی

خان بہادر کی خدمت میں لے جاؤ اور میرا سلام جہا نہائے شوق وعالم ہائے آرزو کے ساتھ عرض کرواور یہ خط اس مخدوم قدسی صفات کے ملاحظے میں لاؤ اوراس عرض کے ساتھ کہ (وہ) اسکو شروع سے آخر تک پڑھ لیں کہ میری ارادت و عقیدت کی بلندی کا اندازہ لگا سکیں۔ اور ہاں جواہر سنگھ تو دل میں یہ خیال نہ لانا کہ غالب خوشامد گو اور دنیا دار ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں فقیری میں غنی اور تہی دستی میں دولتمند ہوں۔ میں آسمان اور (اس کے) ستاروں کا احسان قبول نہیں کرتا اور شاہ و شاہزادوں کی خوشامد گوئی نہیں کرتا۔ تو نے جو یہ لکھا ہے کہ مولوی سید رجب علی خان بہادر کا مسلک حیدر پرستی و حیدر ستائی ہے تو گویا مجھے ان کے ہاتھ فروخت کر دیا اور میرے دل کو ان کی محبت سے منور کر دیا۔تو جانتا ہے کہ میں علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلام ہوں اور جس کسی کے متعلق سنتاہوں کہ ان کا غلام ہے تو اس کو اپنا آقا تصور کرتا ہوں اور اپنے جسم کو اس کی بندگی کے حوالے کر دیتا ہوں۔

شعر ○

کنم از نبی روئی در بوتراب به مه بنگرم جلوهٔ آفتاب

ترجمہ۔ نبی صلعم کی طرف سے جب (میں) بوتراب کی طرف رخ کرتا ہوں (تو) چاند میں(مجھے) جلوۂ آفتاب نظر آتا ہے۔

زیزداں نشاطم به حیدر بود ز قلزم به جو آب خوشتر بود

ترجمہ۔ خدا کے مقابلے میں مجھے حیدرؓ کے ساتھ (زیادہ) خوشی ہوتی ہے (چونکہ) سمندر کے مقابلے میں ندی کا پانی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

نبی را پذیرم به پیمان او خدارا پرستم به ایمان او

ترجمہ۔ میں نبیؐ کو اس (حیدر) کے پیمان کی بنا پر قبول کرتا ہوں اور خدا کی پرستش اس (نبیؐ) کے ایمان کے سبب کرتا ہوں۔

○ طبع ثانی میں اشعار کا ترجمہ نہیں ہے۔

مرا مایہ گردل و گر جاں بود ازو دانم ار خود زیزداں بود

ترجمہ۔ اگر میرے دل و جان کی کوئی قیمت ہے (تو میں تو) اس کو (حیدر) ہی کا طفیل سمجھتا ہوں چاہے یزداں کی عطا ہو۔

اسد اللہ نے منگل کے دن ۲۷ اپریل ۱۸۴۸ء کو تحریر کیا جواب طلب۔

خط نمبر ۴

جان من و جانان من، کیا دن تھا کہ تمہارا خط ملا (جس میں) تحریر تمہاری تھی اور مہر میری۔ میں نے کہا سبحان اللہ یگانگت و اتحاد کے کیا اعلیٰ آثار ہیں کہ خط بھی میرے نام اور مہر بھی میرے نام کی۔ شعر

خود کوزہ و خودکوزہ گر و خود گل کوزہ خود رند سبوکش

خود برسرآں کوزہ خریدار برآمد بشکست و رواں شد

ترجمہ۔ خود کوزہ، خود کوزہ گر، خود کوزے کی مٹی اور خود (ہی) رندمے خوار (اور) خود (ہی) اس کوزے کا خریدار بن کر ظاہر ہوا (اور پھر خود ہی اس کوزے کو) توڑ ڈالا اور چلتا بنا۔

تیری جان کی قسم اے جوہر خجستہ فطرت کہ جب وہ خط مجھے ملا اور میں اس وقت تنہا تھا اپنے نام کے خط پر اپنی مہر کا نقش دیکھ کر جھوم اٹھا۔ حاصل کلام یہ کہ مجھے مہر کے نگ کا انتظار تھا۔ کل منگل کے دن بائیس اکتوبر کو ملا۔ بالیقین (اب) کشمیر میں کوئی مہر کن نہیں رہا۔ع۔ مجلس چوبر شکست تماشا بمار سید ترجمہ۔ جب محفل

"جان من و جانان من۔ روزی بود کہ نامہ من رسید کہ نگارش از شما بود و مہ از من" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ اس طرح ہے "میری جان۔ ایکدن مجھے خط ملا۔ تحریر تمہاری اور مہر میری۔"

برخاست ہو چکی تب نظارہ ہمیں نصیب ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ دہلی کے شائقین میں سے تقریباً سوا شخاص نے نگ بھیج کر کشمیر سے کندہ کرائے اور سب کے سب کو شرمندگی و خجالت ہوئی۔اب ان سعادتمند کو (یعنی آپ کو) چاہئے کہ یہ دردسر مول نہ لیں اور دوبارہ مہر کی کھدائی کے لئے نگ نہ دیں۔ اس وقت اس فن میں بدرالدین کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔اب اگر اس نے بھی برا لکھا تو سمجھتا ہوں یہ خوبی میری سرنوشت کی ہے۔ اب اس خط سے کہ جس میں مہر لپٹی ہوئی تھی یہ معلوم ہوا کہ آپ آرہے ہیں اور جلد ہی آرہے ہیں۔ آیئے اور دیدار طلب آنکھوں کی دادرسی کیجئے۔

کل عجب اتفاق ہوا دن ڈھلنے لگا تھا اور چونکہ ہیرا سنگھ [تمہارے چھوٹے بھائی] کی عادت ہے کہ جب مدرسے سے چھٹی ہوتی ہے تو میرے پاس آجاتا ہے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھتا ہے۔ (چنانچہ) کل بھی آیا تھا لیکن تھوڑی دیر بیٹھا اور چلا گیا۔ابھی گیا ہی تھا کہ ڈاکیہ آپہنچا۔ لفافہ کھولا تو اس میں اپنی مہر اور رائے جی (چھجمل) کے نام کا خط ملا۔(میں نے) دل میں کہا کاش ہیرا سنگھ نہ گیا ہوتا تاکہ (چھجمل جی کے نام کا) یہ خط اس کو دے دیتا اور وہ لے جاتا۔ابھی اپنے دل سے یہ بات کر ہی رہا تھا کہ رائے چھجمل آگے آگے اور رام دیال بغل میں بقچہ دابے ان کے پیچھے پیچھے دروازے سے اندر آئے۔ (اسوقت تک میں) مہر صندوقچہ میں رکھ چکا تھا اپنے خط کو پھاڑ چکا تھا اور اس (رائے چھجمل) کے نام کا خط ہاتھ میں تھا۔واضح ہو کہ میرے دیرینہ دوست چھجمل ہفتے میں دو تین بار میرے پاس آتے ہیں اور دیر تک بیٹھتے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف اور جھگڑا تھا تو وہ صرف جوئے کے اوپر تھا۔ (لیکن اب) جب کہ وہ ہم نشینی ہی تباہ ہو گئی ہے تو پیار و محبت ہی باقی رہ گئے ہیں۔ قصہ مختصر وہ خط میں نے ان کو دے دیا۔انہوں نے پڑھا اور خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ خط بڑا بروقت پہنچا اور میرے لئے بڑے کام کا ہے۔ میں نے پوچھا بھلا کس طرح تو کہا کہ جواہر سنگھ کی ساس نے اپنی بیٹی کو امروہے بلایا ہے۔ میں چونکہ اس کی جدائی برداشت نہیں کر

سکتا تھا اور ان لوگوں کی خواہش کو نہ ماننے کا (بظاہر) کوئی سبب نظر نہیں آتا تھا اب اس خط کو امروہے بھیج دوں گا اور لکھ دوں گا کہ چونکہ اس کا شوہر اس کے پاس آنے والا ہے اس کو کسی صورت امروہے نہیں بھیج سکتا۔ یہاں تک تو وہ بات تھی جو لالہ بجمل نے مجھ سے کہی۔

کل خود (رائے بجمل) آئے تو دو قسم کی دریز شالین لائے تھے۔ ان○ میں سے میں نے ایک منتخب کی اور تمہارے لئے پسند کی۔ اس سے پیشتر بھی ایک کپڑا جو انہوں نے تمہیں بھیجا ہے وہ (بھی) میرا پسند کردہ ہے۔ بے شک جس دن سے تم نے دریز کا واسکٹ اور شال کے لئے لکھا ہے بیچارہ (رائے بجمل) ہر روز جگہ جگہ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ افسوس فرنگی مل فوت ہو گیا۔ یہ واسکٹیں اور قسم ہا قسم کے کپڑے وہ لایا کرتا تھا اور فروخت کرتا تھا۔ (اب) اس کا بیٹا مٹرو اگرچہ باپ کے قدم پر قدم رکھتا ہے لیکن وہ مال جو وہ لاتا تھا یہ نہیں لاپاتا۔ اب کہ میری آنکھوں کا نور (یعنی تم) خود ہی آ رہے ہو اور جاڑے کے بہت دن باقی ہیں اس قسم کی چیزوں کی خریداری کا (بہت) وقت ہے۔

آج اکتوبر کی ۲۳ تاریخ بدھ کے دن بوقت صبح جب یہ خط تحریر کر رہا تھا اور ارادہ تھا کہ اس کو ڈاک سے بھیجوں ہیرا سنگھ دوڑا دوڑا آیا اور رائے (بجمل) کا حکم لایا کہ اگر جواہر سنگھ کے نام کوئی خط لکھا ہو تو مجھے بھیج دیں کہ اپنے خط کے ساتھ منسلک کر کے اس کو بھیج دوں۔ (چنانچہ میں نے) ایسا ہی کیا اور بغیر پتہ لکھے خط کو ہیرا سنگھ کے حوالے کر دیا۔ اب اللہ تمہارے باپ کو توفیق دے کہ آج ہی ڈاک سے روانہ بھی کر دے۔ والدعا اسد اللہ کی طرف سے۔

○ "یکی را انتخاب کردم و ازبہر شما پسندیدم" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ اس طرح ہے "ان میں سے ایک کا تمہارے لئے میں نے انتخاب کر دیا"

ایک بات لکھنی بھول گیا تھا۔ اب خط ختم کرنے کے بعد تحریر کر رہا ہوں۔ تم باربار لکھ رہے ہو کہ تاریخ سلاطین تیموریہ یعنی [مہرنیمروز] میں سے جس قدر بھی ضبط تحریر میں آچکا ہے تمہیں بھیج دیا جائے۔ میری جان یہ محض کتاب کا لکھنا نہیں ہے۔ یہ جگر خون کرنا اور لہو چھاننا ہے۔ ابھی تک (تو صرف) حمد' مدح' نعت' ثنا' سبب تالیف کتاب اور امیر تیمور کے سارے احوال اور تھوڑے سے بابر کے بھی کہ تاحال ناتمام ہیں لکھے گئے ہیں۔ میرا طریقہ کار یہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر مسودہ تیار کر کے تمہاری بھیجی ہوئی کتاب پر صاف کرتا ہوں اور تمہارے لئے محفوظ کر لیتا ہوں۔ سست قلم ہوں' بیمار ہوں' بے حوصلہ و بے دماغ ہوں۔ دیر میں لکھتا ہوں' تھوڑا تھوڑا لکھتا ہوں' کبھی کبھی لکھتا ہوں' بہرصورت جو کچھ بھی لکھتا ہوں تمہارے لئے تمہاری کتاب میں جمع کر لیتا ہوں۔ آؤ خود دیکھو اور لطف اٹھاؤ۔

خط نمبر ۵

اے اقبال مند۔ بارہ فروری کا لکھا ہوا خط ملا اور تمہاری مہر کا نقش ملاحظہ کیا۔ اس مصرع کی عبارت سے اتحاد کے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں تم سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ ہم بھی اس اتحاد (کے ضمن) میں تمہارے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ امید ہے کہ فن شاعری میں (آپ) بلند مرتبے پر پہنچیں گے اور اس نام سے مشہور ہوں گے۔

حضرت مولانا [سید رجب علی] مدظلہ العالی کے بیان کردہ جواب کے نہ پہنچنے پر آپ کی حیرت نے خود مجھے اچنبھے میں ڈال دیا۔ ان مبارک دنوں میں دو (کاندھے پر ڈالنے کی) چادریں' ایک شال رومال اور دو مہر زدہ گرامی نامے ولی نعمت [سید رجب علی] کی جانب سے مجھے ملے ہیں اور میں نے اس تینوں تحائف اور دونوں گرامی ناموں کا علیحدہ علیحدہ شکریہ ادا کر دیا ہے اور جواب لکھ دیا ہے۔ امید ہے کہ ان میں سے ہر

ایک اپنے وقت پر خواجہ بندہ نواز کی نظرگاہ التفات سے گزرا ہوگا۔تم سے میں یہ چاہتا ہوں کہ میری بندگی پہنچا دو اور اس خط کو کہ تمھارے نام ہے مولانا کی نظرفیض اثر میں لے آوٗ اور میری احسان مندی کو از سرنو انکے ذہن نشین کرا دو۔ چند دن بعد ایک علیحدہ عرضداشت کی صورت میں پیشانی قلم کو سجدہ ریز کروں گا۔ تمہیں میری جان کی قسم سستی نہ کرنا اور اس تحریر کو سیدی و مولائی سلمہ اللہ تعالیٰ [مولانا رجب علی] کے فروغ نظر سے منور کرنا۔

رائے چھجمل کہ جو چند اعزا اور رفقا کے ساتھ امروہے سدھارے ہیں تاحال واپس نہیں آئے۔امید ہے کہ اس ہی ہفتے میں اقبال و سعادت کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ ہیرا سنگھ کی شادی تمہیں مبارک ہو۔

خدا کا شکر ہے مفسدوں کا ہنگامہ ختم ہوا اور خلق خدا کو نصرت نصیب ہوئی [یعنی فتح ملتان]۔ جو خاروخس باقی ہے جلد ہی صاف ہو جائے گا اوژ ملک پاک و صاف ہو جائے گا۔ قوی امکان ہے کہ اس غبار کے بیٹھ جانے پر تمہارا آقا تمہیں اجازت دے دے اور تمہاری اس طرف آنے کی کوئی صورت نکلے اور ہمیں تمہارا دیدار نصیب ہو۔

میراحمد حسین کہ تمہارے رفیق ہیں[یعنی شاگرد غالب] اور میکش تخلص کرتے ہیں لکھنوٗ گئے ہوئے ہیں۔ ہر خط میں کہ وہ مجھے ارسال کرتے ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔

غیاث الدولہ حکیم رضی الدین حسین خان بہادر ہر ہفتے آنے کی زحمت نہیں کرتے۔کبھی کبھی آتے ہیں۔ جب تمہارا پوچھتے ہیں تو تمہارا سلام و نیاز پہنچا دیتاہوں۔(ان کے) نقل مکانی کی وجہ سے بزم ہی ختم ہو گئی اور احباب کی وہ جمعیت ہی منتشر ہو گئی۔

تم نے سنا ہو گا کہ شہزادہ دارابخت ولی عہد بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا۔اب

شاہ دہلی چاہتے ہیں کہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو جو صمصام الدولہ احمد قلی خان کی بیٹی زینت محل بیگم کے بطن سے ہے ولی عہد بنا دیں۔ (اس کے برخلاف) فتح الملک عرف مرزا فخرو اس دلیل پر کہ وہ بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا ہے خود ولیعہدی کا دعویدار ہے۔ ابھی تک اس معاملے کا فیصلہ نہیں ہوا ہے اور خصوصاً" اس ضمن میں گورنمنٹ کی طرف سے کوئی فرمان نہیں پہنچا۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد۔ ترجمہ۔ اب دیکھیں خدا کی کیا مرضی ہے اور وہ کس کو چاہتا ہے۔اچھا یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اب میں نے جو یہ (ساری) خبریں لکھ کر خامہ فرسائی کی ہے تو اس سعادتمند (یعنی تم) سے اس کا بدلہ چاہتا ہوں (یعنی) خبروں کے عوض خبروں کا طالب ہوں۔ پہلے تو میرے مخدوم [سید رجب علی] کی خیریت لکھیں اور اس کے بعد میرا خط پڑھنے کے بعد جو کچھ بھی ان کی زبان گہرفشاں سے ادا ہو وہ تحریر کریں دو۔ پھر اپنا احوال اور اپنے آنے کے بارے میں جیسا کہ میرا خیال ہے تحریر کریں۔ اور تیسرے یہ کہ اس علاقے [پنجاب ملتان] کا احوال (لکھیں) کہ مولراج کے بارے میں کیا حکم ہوا اور شیر سنگھ اور چتر سنگھ کا کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ افاغنہ [سرحدی افغانوں] کے غلبہ کی کیا چارہ گری کریں گے۔ والدعا از اسد اللہ منگل کے دن بیس فروری ۱۸۴۹ء کو لکھا گیا۔جواب طلب۔

خط نمبر ۶

اے سعادت مند (تمہارے) ۲۰ اور ۲۵ فروری کے لکھے ہوئے خط یکے بعد دیگرے ملے۔ایک رائے چھمل کے امروہے سے آنے سے پہلے اور دوسرا ان کی واپسی کے دو دن بعد۔ پہلا خط بھی میں نے محفوظ کر رکھا تھا۔ دونوں رائے جی کو دکھائے۔ انہوں نے پڑھے اور تمہاری خیریت پر خدا کا شکر ادا کیا۔ لنگی کو ڈاک خانے میں امانت رکھ چھوڑا تھا۔ رائے صاحب کے آنے پر انہیں اور ان سے مجھے ملی۔چونکہ میرے لائق نہیں تھی میں نے تمہیں واپس کر دی یعنی تمہارے والد کو لوٹادی۔اس ضمن میں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی پیسے چاہئیں اور نہ لنگی۔

میرا حکم مانیں اور جو کچھ بھی لکھتا ہوں اس کے خلاف نہ کریں۔ یعنی خیال رکھیں جیسے ہی ملتان کا راستہ کھلے اور (ملتانی) لنگیاں لاہور آنا شروع ہوں ایک لنگی کہ جس کے تانے بانے میں ہرگز کوئی ریشمیں یا زریں تار نہ ہو اور ساری کی ساری رسیمان کی بنی ہو جسے ہندوستان میں سوت کہتے ہیں میرے لئے خرید کر بھیج دیں لیکن اس کے کنارے اطراف میں کالے اور اودے ہوں اور باریک دھاریاں بھی سیاہ اودی اور زرد ہونی چاہیں۔ (کپڑا) باریک نرم اور ہلکا ہونا چاہیے ایسا کہ پیروں اور قلندروں کو زیب دے۔ لیکن ایسی جلدی بھی نہیں۔ جب کبھی عمدہ' اپنی پسند کی اور سستی ملے۔ فی الحال میرے پاس مولانا [سید رجب علی] کی عطا کردہ دو لنگیوں میں سے ایک اور ایک کالے صاحب [حاجی غلام نصیرالدین] کی عطا کردہ (دو لنگیاں) ہیں جنہیں سر پر باندھتا ہوں۔ اور مولانا کی دو لنگیوں میں سے ایک میں نے اس لئے کہا کہ اس میں سنہری لنگی میں نے حرم سرا میں دے دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے رقم یا قیمتی زریں لنگی بھیجی تو وصول نہیں کروں گا۔

انگریزوں کی فتح اس جماعت کے ہواخواہوں کو مبارک ہو اور سکھوں کی شکست کا غم مہم پسندوں کو ہو۔ میں ان دونوں گروہوں میں سے نہیں۔ بارے تم نے کرم کیا کہ یہ خبر لکھ بھیجی۔ انگریزوں کے متعلق بے پر کی اڑانے والوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ ○ تمہاری تحریر کی سند پر میں نے ان کے منہ پر مکا رسید کیا۔ میں نے پندرہ اشعار جانچے۔ تین کو کاٹ دیا اور بارہ رکھ لئے۔ آخری شعر کو مقطع قرار دیا اور اس کے دوسرے مصرع کا انداز بدل دیا۔ پہلے مصرع میں شب و روز اور دوسرے میں مہر و ماہ محسنات کلام میں ہیں۔ اسد اللہ ۔جمعہ کی رات کو لکھا گیا کہ صبح مارچ کی دوسری ہے۔ والدعا

○ "بانیروی نگارش ثماشت بردہان آناں زدم" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔ "اب تمہاری تحریر سے میں نے ان کے منہ بند کر دیئے"۔

خط نمبر ۷

اے سعادتمند صاحب اقبال (میری) جان، تمہارا خط اور اس میں منسلک مولانا [سید رجب علی خان] کا شفقت نامہ مجھے ملا۔ اور مجھے عطیہ کی آمد کا امیدوار بنا دیا اور میں نے اس خط کا جواب لکھ کر ڈاک میں تمہیں بیرنگ بھیجا ہے۔

آج منگل کا دن اور دسمبر کی ۲۶ تاریخ ہے۔ دولت موعود یعنی لنگی مجھے ملی (لیکن) اس کے ساتھ خط کوئی نہیں تھا۔ ڈاکیہ نے بھی مجھ سے کچھ طلب نہیں کیا۔ عنوان پر نظر ڈالی تو اس پر پوسٹ پیڈ POST PAID لکھا ہوا تھا۔ اب چونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس کیسہ میں کیا ہے لانے والے کو انعام دے کر (پارسل) کھولا۔ چادر (لنگی) دیکھی اور جھوم اٹھا اور پھولا نہ سمایا اور اسی وقت دونوں ٹکڑے جوڑ کر سر پر باندھی۔

واضح ہو کہ مجھے لنگی اس لئے چاہئے کہ سر پر باندھوں اور سر پر باندھ کر گھوموں پھروں۔ میں (عام) دہلویوں کی طرح (لنگی) کاندھے پر نہیں ڈالتا۔ بارے مولانا کا جواب اور اس تحفہ کا شکریہ لکھا اور اس خط کو کہ جو تمہارے نام ہے اس کے ساتھ منسلک کر کے مولانا [سید رجب علی] کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

تمہارے خط سے [اپنے بھانجے مرزا] عباس بیگ کا احوال معلوم ہوا۔ خوشی ہوئی یہ حضرت مولانا [رجب علی خان] کی سرپرستی کے طفیل ہے۔ خدا اس بزرگ والا نسب کو سلامت رکھے۔

(اب) تمہیں لکھتا ہوں کہ تمہارے متعلقین اور احباب خوش و خرم ہیں۔ کنہ لگن میں [یعنی یکشنبہ ۱۱ فروری ۱۸۴۹ مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ ۴ پھاگن سمت ۱۹۰۵ء [تمہارے چھوٹے بھائی] ہیرا سنگھ کی تقریب خانہ آبادی ہو گی۔ اسد اللہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۴۸ بروز منگل۔

خط نمبر۸

اے صاحب اقبال (تمہارے) مسرت افزا خط نے کہ جو ۱۳ دسمبر کا لکھا ہوا تھا پہنچ کر مجھے خوش کر دیا۔ اور جب اس ہی میں مولانا[سید رجب علی خان بہادر] کا خط ملا تو اس نے میری خوشی کو دوبالا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مولانا نے کوئی تحفہ ارسال کیا ہے۔اس تحفے کو میں بخشش الٰہی اوراپنے لئے سند افتخار سمجھتاہوں۔ لوگ شاہوں اور شاہزادوں کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے جو خلعت ملتی ہے اس کے گوشہ کلاہ کو آسمان سے رگڑتے ہیں (تو) مجھے کہ بندۂ مرتضیٰ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں، جب ان کی اولاد کی ایک منتخب ہستی سے کوئی سوغات ملے تو اپنے اوپر کیوں ناز نہ کروں۔

مولانا کے خط کا جواب میں نے ابھی نہیں لکھا ہے۔ خیال یہ ہے جب وہ سبب افتخار پہنچ جائے تو جواب لکھوں۔ اور اس میں تحفے کے پہنچنے اور اپنی احسا نمندی کی بات کروں۔ اور ہاں اے عزیز تر از جان یہ کیا واقعہ ہے کہ حضرت تو دوچادریں یعنی لنگیاں لکھتے ہیں اور تم ایک ہی بتلا رہے ہو اور چونکہ خط بھی آنجناب نے خود لکھا ہے تو کاتب کی بھول بھی نہیں کہی جا سکتی۔ لازمی مولانا نے خط کے مطابق دو چادرین ہی دی ہیں۔ تم نے ایک بھیجی ہے اور دوسری رکھ لی ہے تاکہ دوسری چند دن بعد اپنے نام سے بھیجو اور میری فرمائش کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤ۔

تفریح طبع کی ان باتوں کے بعد کہ ازراہ محبت و مسرت تھیں عرض یہ ہے کہ تمہارے خط میں لکھا ہے کہ لنگی کا پارسل آج بھیجا ہے اور یہ دسمبر کی تیرھویں تھی۔ آج کہ تیئیسویں ہو گئی ہے پارسل نہیں پہنچا اور ان صاحب اقبال نے یہ لکھا ہے کہ پندرہ دن کے عرصے میں پہونچے گا۔یاخدا یہ انگریزی ڈاک کو کیا ہو گیا کہ لاہور سے دہلی تک دو ہفتے میں پہونچتی ہے تو کیا یہ چھ ماہ کی مسافت ہے؟مظفر الدولہ [سیف الدین حیدر خان، نواب حسین مرزا یعنی معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خان،

ذوالفقار جنگ کے بڑے بھائی) نے لکھنؤ سے ایک کتاب کا پارسل بھیجا ہے۔وہ تین دن میں لکھنؤ سے دہلی پہنچ گیا۔اور ان دونوں مقامات یعنی لاہور اور لکھنؤ کا (دہلی سے) برابر کا فاصلہ ہے۔ خدا کی پناہ اگر وہ چادر کسی مسافر کو دے دیتے جو منزل بہ منزل چلتا ہے تو لازمی دسمبر ۱۸۴۹ء یعنی اگلے سال کے جاڑوں میں پہونچ جاتی۔ بہرحال یہ مسئلہ جواب مانگتا ہے۔تمہارے والدین' تمہارے بھائی اور سارے متعلقین بخیروعافیت ہیں۔ منجانب اسد اللہ مرسلہ ہفتہ ۲۳ دسمبر ۱۸۴۸ء

خط نمبر ۹

(خدا کرے) غالب کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور منشی جواہر سنگھ عمر و دولت سے بہرہ مند ہوں۔ خط ملا لنگی ملی۔ غزل ملی' خط سے تمہاری خوشی و خرمی اور مہرنیمروز کے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بے شک و شبہ کھل اٹھا اس کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ لنگی اور غزل دونوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ میں لنگی تو اس لئے مانگ رہا ہوں کہ سر پر باندھوں اب تم خود انصاف کرو یہ سر پر باندھی جا سکتی ہے؟ یہ○ تو کسی کام کی نہیں ہے۔(البتہ) گرمی کی راتوں میں بستر کی چادر اور جاڑے کے دنوں میں حمام کا تہمد (ہے)۔ چلو دستار نہ ہو نہ سہی غزل (ہو پر وہ) بھی فضول ہے۔ لنگی دوبارہ بھیجیں اور غزل دوبارہ کہیں۔ والدعا منجانب اسد اللہ محررہ منگل ۲۳ مارچ ۱۸۵۵ء

خط نمبر ۱۰

(خدا کرے) سعادتمند و صاحب اقبال منشی جواہر سنگھ عمرو دولت سے بہرہ مند ہوں۔ نامہ دل افروز نے وردو کی خوش خبری پہنچائی۔

○ "باری ہیچ کارہ ہم نیست" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔ "بارے بے مصرف بھی نہیں ہے۔"

آب و ہوا کی خرابی اور کوہستانیوں کی طبیعت کی سختی کا مجھے پہلے سے علم ہے۔چونکہ ان عزیز تر از جان (یعنی تم نے) مکرر لکھا ہے خدا اپنی امان میں رکھے۔ ہیرا سنگھ مہرنیمروز ہی کے طریقے سے دیوان عارف [زین العابدین خان] مرحوم بھی بھیج رہا ہے۔اپنے وقت پر پہنچ جائے گا۔

مولوی رجب علی خان کا دوبار دہلی آنا ہوا۔پہلی بار آئے تو چند دن آرام کر کے جودھپور کی طرف کہ راجستھان کے اجنٹ بہادر [کرنل ہنری لارنس] وہاں تھے چلے گئے۔ واپس ہوئے تو دوبارہ دہلی آئے۔ چند دن بسر کئے اور وطن [جگراؤں] چلے گئے۔ کسی کو علم نہیں کہ کیوں گئے تھے اور کیسے واپس آئے۔ ان کا بڑا بیٹا راجستھان کی ایجنٹی کی سررشتہ داری میں ملازم ہے اس سے ملنے گئے ہوں گے۔اپنے چھوٹے بیٹے اور چھوٹے بھائی کو پہلی بار اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ واپسی پر وہ دونوں ساتھ نہیں تھے۔ یقیناً صاحب ایجنٹ بہادر کے حوالے کر آئے ہوں گے کہ دونوں کو کسی کام پر لگا دے۔اس سے زیادہ ماسوائے آرزوئے دیدار کے اور کیا لکھوں۔ منجاب اسد اللہ محررہ ہفتہ ۲۶ مئی ۱۸۵۵ء

خط نمبر۱۱

میری جان اس وقت پریشانی حد سے زیادہ تھی اور دل (تمہاری) خیر کا طالب تھا۔ہیرا سنگھ نے جو خط اس کے نام آیا تھا مجھے دکھایا۔ معلوم ہوا کہ پشاور پہنچ گئے ہیں اور شہر کی آب و ہوا راس آئی ہے۔ خدا تندرست رکھے اور پہلے کاروبار سے بہتر کاروبار اور پہلے سے بہتر مرتبہ دلائے۔

[زین العابدین خان] عارف کا دیوان رائے صاحب (چھجمل) کو دے دیا گیا۔ والا جاہ ضیا الدین [احمد] خان [نیر رخشاں] نے قیمت طلب نہیں کی ہے۔ جب کریں گے دے دی جائے گی۔ اتنی جلدی کا سبب کیا ہے! اگر یہ جانتا کہ جلدی ادا کرنی ہے تو تمہارے حکم کی تعمیل کرتا اور گیارہ روپے بھیج دیتا۔ چونکہ [ادھر سے] تقاضا نہیں ہے تو جلدی کی کیا

ضرورت ہے۔

تمہارے اہل خانہ یہیں ہیں۔ امروہے نہیں گئے ہیں (اور) بقول ہیرا سنگھ کے خوش و خرم ہیں۔ ہیرا سنگھ کی بیوی کی موت کی خبر تم نے سنی ہو گی۔ افسوس جوان مر گئی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بچپن ہی میں مر گئی اور ہیرا سنگھ بغیر کسی ہمدم کے رہ گیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اداس ہے۔

تم سے چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب جلد تحریر کرو۔ اور یہ بھی لکھو کہ قرض کی اور دوسری فضول نالشوں کا پورے طور پر فیصلہ ہوا یا ابھی تک اس لشکر کی گرد اور اس قافلے کی کچھ آگ باقی ہے۔ والدعا۔ منجانب اسد اللہ ہفتے کے دن ۶ مئی ۱۸۵۴ء کو سپرد ڈاک کیا گیا۔

خط نمبر ۱۲

اسد اللہ کی جانب سے دعا وصول کریں اور باوجود اس کے کہ (انہوں نے) مجھ کو فراموش کر دیا ہے مجھے اپنی یاد میں شمار کریں۔ تمہاری تحریروں سے کہ جو رائے جی (تجمل) کے نام آرہی ہیں یہ ٹپکتا ہے کہ بیوپار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منافع کی ہوس میں (اپنا) سرمایہ بھی گنوا بیٹھیں۔ میں اس رائے کو پسند نہیں کرتا اور تمہیں اس سے روکتا ہوں۔ نوکری کا ارادہ کرو اور کسی دولتمند کا دامن پکڑو تاکہ کسی مرتبے پر پہنچ سکو۔ ○ ہرگز وقت ضائع نہ کرو۔

لکھنؤ کا حال تم سے مخفی نہیں۔ اگرچہ امجد علی خان فوت ہو گیا ہے اور ابتدا میں مجھے (اس وجہ سے) مایوسی ہوئی تھی لیکن اب پھر کام ہوتا نظر آتا ہے اور معلوم

○ "زنہار اوقات تلف مکنید" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرو"۔

یہ ہوا ہے کہ نوروز علی خان کی رسم و راہ نئے بادشاہ سے متوفی بادشاہ سے زیادہ ہے۔ [نوروز علی خان نے] مجھے لکھا ہے کہ میں طلب نامہ جلد ہی بھجوا دوں گا۔ قصہ مختصر اس تحریر سے میری یہ خواہش ہے کہ تم وہاں پر نوکری کے لئے آمادہ اور میری آواز کے منتظر رہو کہ تمہیں کب بلاتا ہوں۔ عاقل کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

خط نمبر ۱۳

کامران، سعادتمند وصاحب اقبال منشی جواہر سنگھ جوہر کو دعا پہنچے۔ اور (وہ مجھے) اپنا دعاگو جانیں۔ تمہارے خط کو جو رائے بہجمس کے نام آتے ہیں دیکھتا رہتا ہوں اور تمہاری سلامتی احوال پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔

کل شام کے وقت آنکھ کی پتلی ہیرا سنگھ تمہارا خط کہ جو تمہارے باپ کے نام تھا لایا۔ میں نے پڑھا اور (اس سے) یہ معلوم ہوا کہ تمہارے قلم کی آواز تحریر میری شکایت کا راگ الاپ رہی ہے۔ میری جان میں نے تو کوئی خط جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑا اور تو لکھتا ہے کہ (تو نے) خط بھیجے ہیں اور میں نے جواب نہیں دیئے۔ اب خود ہی فرمانہ آئے ہوئے خطوں کا کوئی جواب کس طرح لکھے۔

ہاں وہ بیاض جس کی رسید کی اطلاع میں نے نہیں دی تھی پہنچ گئی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا لکھنا چاہئے اور اس بیاض کا کیا کروں۔ اگر دیباچہ یا تقریظ چاہئے تھی تو چاہئے تھا کہ جو درکار تھا اس خط ہی میں تحریر کر دیتے اور مجھے بھیج دیتے کہ میں اس کو پڑھ کر مناسب نثر میں لکھ دیتا۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا تو اب ایسا کریں کہ مجھے دوبارہ لکھ بھیجیں کہ کیا تحریر کروں۔ جب کبھی سیدی و مولائی [سید رجب علی خان] کی محفل میں جانا ہو تو میری طرف سے کورنش و تسلیم پیش کریں۔ منجانب اسد اللہ محررہ جمعرات ۱۳ اگست ۱۸۴۹ء

☆..☆..☆

بنام رائے چھجمل کھتری

خط نمبرا

مہاراج مجھ جیسے (شخص) کے ساتھ کہ جس کا محبت کے علاوہ کوئی مسلک ہی نہیں ناراضی کیوں اور غصہ کس لئے۔ کہلا بھیجا کہ الور جا رہا ہوں اور پھر رخصت کی ملاقات کو نہیں آئے۔ **لاحول ولاقوۃ الاباللہ**۔

اچھا سنو کل دن ڈھلے اپنی عادت کے مطابق (جب)نواب امین الدین خان کے گھر جا رہا تھا تو راستے میں خواجہ رحمت [علی] صاحب مل گئے۔چونکہ مدتوں پہلے میر خیراتی [میر محمد حسین عرف میرخیراتی] خواجہ صاحب سے میری ملاقات کرا چکے ہیں' سلام علیک ہوئی۔ ہم (دونوں) نے تھوڑی دیر کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ میں نے دیوان [محمد فضل اللہ خان]اور [بنی سنگھ] راجہ [الور] کااحوال پوچھا۔ بتایا کہ معمولی سی رنجش سی پیدا ہو گئی تھی رفع ہو گئی۔ میں نے پوچھا اب کیا حال ہے۔بتایا کہ اب راضی بازی ہیں۔تو یہاں تک تو بات خواجہ رحمت کی ہوئی۔

(اب) تم سے مجھے یہ کہنا ہے کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ یہ تحریر مناظرے کے ضمن میں ہے اور میں اپنے عقیدے کے لئے دلیل پیش کرتاہوں بلکہ (مقصد) صرف اطلاع دیناہے۔میں نے نہیں چاہا کہ جس سے میں باخبر ہوں تم بے خبر رہو۔ خدا کے واسطے اگر مجھ سے ناراض ہیں تو میری خطا معاف کر دیں اور میرے جرم سے درگزر فرمائیں اور تشریف لائیں کہ اس موضوع پر بہت سی باتیں کرنی ہیں۔اور زیادہ کیا لکھوں۔اسد اللہ۔اقبال مند جواہر سنگھ کو دعا پہنچے۔ انہیں چاہئے کہ اپنے والد بزرگوار کے سامنے میری شفاعت کریں۔

☆..☆..☆

منشی جواہر سنگھ کی سفارش میں
محمد فضل اللہ خان دیوان راج الور کے نام

خط نمبرا

اے مخلص نواز اور غمزدوں کے غم کو (اپنی) محبت سے پگھلا دینے والے۔
اس دفعہ میرے مشفق رائے چھجمل جب دہلی آئے اور اس نامہ نگار کے زندان گمنامی میں تشریف لائے تو جہاں ہر موضوع پر باتیں کیں قدرے اس (یعنی آپ) فرزانہ منفرد کی فرخندہ خوئی کی سپاس گزاری بھی کی۔ میرے خیال کو بھی اس سے تائید حاصل ہوئی اور مجھے اپنے دعوے پر ایک اور دلیل ہاتھ آئی۔

بے شک رائے صاحب فرماتے تھے کہ روح پیکر مروت محمد فضل اللہ خان کو مجھ سے لگاؤ ہے اور (وہ) میرے حال زار پر (کرم کی) نظر رکھتے ہیں۔ان کی آرزو مند نوازی اور کارسازی کی توقع پر جواہر سنگھ کو اپنے ساتھ لئے جارہا ہوں۔میں نے کہا ان کی (یعنی آپ کی) اجازت سے ایسا کرنا چاہئے تھا۔ بتایا کہ ایک دن میرے بیٹے کا خط جو میرے نام تھا ان کی نظر سے گذرا اور انہوں نے اس کی طرز تحریر اور قابلیت کو پسند کیا۔ بلکہ فرمایا کہ اگر وہ اتنی لیاقت اور ذہانت رکھتا ہے تو اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے۔

(خاطر اقدس سے) مخفی نہ رہے کہ اقبال مند جواہر سنگھ عقل سے بہرہ مند ہے اور (اس نے) سلیقہ سخن شناسی مجھ سے سیکھا ہے اور جس طرح وہ رائے جی کا بیٹا ہے میرا نور نظر بھی ہے اور مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ مل کر خوشی ہوتی ہے۔
ہرچند کہ اس کی جدائی مجھے گوارا نہ تھی لیکن چونکہ رائے جی نے یہ بات اس طرح کی اس لئے (اس کی) ناموری اور خوشحالی کی امید پر اس سے جدائی پر آمادہ ہوا ہوں

اور ○ اپنے سے بہتر (شخص) کے سپرد کر کے اپنے آپ اور اس پر بھی میں نے احسان کیا ہے۔ غرض یہ کہ اس ضمن میں (آپ کی) خوش خلقی کی سپاس گزاری میں رائے صاحب کا ہمنوا ہوں اور نورچشمی منشی جواہر سنگھ کے مقصد کے نقش کے درست اترنے (حصول مدعا) میں ان کا شریک غالب ہوں۔ اس ذیل میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سورج کو تابانی اور دریا کو روانی سکھائی نہیں جا سکتی۔ ع۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ ترجمہ۔ چونکہ آقا خود طرز بندہ پروری جانتا ہے۔ والسلام بہ ہزار احترام۔

☆..☆..☆

○ "و بہ بہ از خودی سپردہ ہم برخودوہم بروی منت نہادم" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ اس طرح ہے "اور اس میں اس کی بھی بہتری ہے اور میری بھی"۔

منشی نبی بخش مرحوم کے نام

خط نمبر ۱

صبح کا وقت ہے ایوان کے پردے گرے ہوئے ہیں انگیٹھی میں آگ روشن ہے اور میں انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہاتھ تاپ رہا ہوں۔ مشرق کی جانب پردہ اٹھا ہوا ہے اور کمرے میں دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔○ میں نے کہا ایسے اچھے وقت میں کس سے بات کی جائے!! اچانک دل میں آیا کہ (تیرا تو) کول [علی گڑھ] میں ایک برادر گرامی [حقیر] ہے اور اسی شہر میں ایک محبت کرنے والا دوست [تفتہ]۔ ان دو عزیزان روشن گہر کے گوش حق نیوش میں صریر خامہ پھونک اور قلم کی زبان بے آواز کے ذریعے ان سے باتیں کر۔ دل نے کہا جواب کہاں سے ملے گا۔ جواب ملا کہ دو تین دن گوش بر آواز رہنا پھر سننا۔ دو ورق کہ جڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے جدا کئے ایک پر تمہارے اور دوسرے پر تفتہ کے اسم گرامی کے نام (خط تحریر کرکے) ڈاک کے سپرد کر دیئے۔ اللہ اللہ جنون میں کیسے کیسے گن ہوتے ہیں۔

ان برادر گرامی کی بصارت کم ہو جانے (کی خبر پر) دل کا دکھ بڑھ گیا۔ وہ (کارکنان قدرت) کہ جنہوں نے جمشید سے اس کا کام اور سلیمان سے اس کی انگوٹھی چھین لی یقیناً" قزاقی میں مشاق ہیں۔ جب تک راہزنی نہ کریں اور مال لوٹ کر نہ بھاگیں چین سے نہیں بیٹھتے۔ ہمارے قافلہ (زیست) کی (ساری) راس ہی سننا دیکھنا' بات کرنا اور چلنا ہے' بھلا کیوں نہ لٹے۔ ایک اونچا سنتا ہے تو ہمنشین کیا بات کرے اور ایک کی آنکھ (کم نظری کے باعث) کھلی ہوئی ہے کہ (نجانے) کون آرہا ہے (کیسے دیکھے) ایک کے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے ہیں تو ایک میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں.

○ "و پرتو مہر جہانتاب زاویہ را فرو گرفتہ" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "اور اس گوشے میں آفتاب کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔"

رہی۔(غرض) ہم تو روزگار کے تباہ کئے ہوئے ہیں کس سے داد رسی مانگیں اور منصفی کے لئے کس در پر جائیں۔○ آسمان کے مارے ہوئے غالبؔ نے حدادب کا خیال نہ رکھتے ہوئے اپنی ایک غزل میں اس طرز کی دہائی دی ہے۔

سپہر را تو بتاراج ما گذاشتہ ای
نہ ہر چہ دزد ز ما برد در خزانہ تست

ترجمہ۔ آسمان کو تو نے ہماری لوٹ مار کے لئے مامور کیاہوا ہے(تو کیا) ایسا تو نہیں کہ قزاق جو ہم سے لوٹ کر لے گیا ہے تیرے ہی خزانے میں موجود ہو۔

صبر کریں اور مقوی دماغ کوئی دوا کھائیں اور ایسا سرمہ لگائیں کہ آنکھوں کا دھند دور ہو اور غم (ہرگز) نہ کریں چونکہ غم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ درونی اور بیرونی قویٰ ہم نے رقم دے کر نہیں خریدے یہ تو ہمیں مفت ملے ہیں سو اگر واپس بھی لے لیں تو ظلم نہیں ہے۔ منجانب اسد اللہ محررہ اتوار ۱۹ دسمبر ۱۸۵۲ء

☆..☆..☆

○ "غالب فلک زدہ حد ادب نگاہ نداشت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "غالب فلک زدہ نے حد ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے"۔

بنام نواب علاؤ الدین احمد خان بہادر

خط نمبرا

جانشین غالب کو غالب کی دعا۔ آپ کا خط اور برادر گرامی [نواب امین الدین احمد خان] کا پیغام پہنچا۔ ہائے ہائے کس قدر بے درد اور بدظن (شخص) ہے کہ (میری) بات نہیں مانتا اور ○ سمجھتا ہے کہ میں اب بھی شعر کہہ سکتا ہوں۔ گدھا نہیں، ریچھ نہیں، آدم زاد ہے، جاہل نہیں عالم ہے، بچہ نہیں بڑا ہے، جوان ہے اور خدا اس کو بڑھاپا دکھائے (بھلا) وہ شخص کہ پاؤں نہیں رکھتا کس طرح چلے (اور) جس کے ہاتھ نہیں کام کس طرح کرے (اور) جس کا دل و دماغ (باقی) نہ رہا ہو، سخن گوئی کس طرح کرے۔ وہ کہے گا کہ دل کیوں نہیں ہے اور دماغ کیوں نہیں ہے [دونوں موجود ہیں] ○○ای ظالم ناترس، دل ہے، لیکن غمگین، دماغ ہے لیکن افسردہ۔وہ جس نے میرے جسم میں دل اور دماغ پیدا کیا ہے اس نے مجھ سے توانائی فکر، تابانی اندیشہ، ذوق شعرگوئی اور اسلوب قافیہ واپس لے لئے ہیں اور جس طرح کہ اہل ہند کہتے ہیں داتا کے تین گن دے، نہ دے، دے کے چھین لے قصہ مختصر اس ہی زمین میں ایک غزل میرے مطبوعہ دیوان میں ہے جو میں نے کلکتہ میں کہی تھی۔اس کی ایک نقل بھیج رہا ہوں۔ بھائی صاحب کی نظر نادرست ہیں میں پہنچا دیں۔

○ "می داند کہ سخن می توانم گفت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "اور سمجھتا ہے کہ مجھ میں طاقت گفتار باقی ہے"

○○ "ای ستمگر ناپارسا" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ "ارے ظالم، کافر منش" کیا گیا ہے۔

غزل○

شعر۱۔ سوخت جگرتا کجا رنج چکیدن دہیم
رنگ شو اے خون گرم تا بہ پریدن دہیم

ترجمہ۔ ہمارا جگر جل گیا۔(آخر) کبتک اس کو(قطرہ قطرہ) ٹپکنے کادکھ دیتے رہیں۔ اے خون گرم (تو) رنگ بن جا کہ یکبارگی تجھ کواڑا کر فراغت حاصل کرلیں

شعر۲۔ عرصہ شوق ترا مشت غبازیم ما
تن چون بریزد ز ہم ہم بہ تپیدن دہیم

ترجمہ۔ تیرے میدان شوق میں ہم ایک مشت غبار(کی حیثت رکھتے) ہیں۔ جب جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تب بھی ہم اسے تڑپاتے ہیں۔

شعر۳۔ جلوہ غلط کردہ اندرخ بکشاتا زمہر
ذرہ و پروانہ را مژدہ دیدن دہیم

ترجمہ۔ جلوۂ (حق ہی کو قضاو قدرنے) اُلٹ پلٹ کردیا ہے۔ توچہرہ کھول دے کہ سورج سے ذرے اور پروانے دونوں کو دیدار حق کی خوش خبری دی جا سکے۔

شعر۴۔ سبزۂ مادر عدم تشنہ برق بلاست
دررہ سیل بہار شرح دمیدن دہیم

ترجمہ۔ ہمارے (وجود کا) سبزہ عدم (ہی سے) برق بلا کا پیاسا ہے۔ (ہم اورزبان حال سے) سیل بہار کے (عین) راستے میں پھولنے پھلنے کی شرح کر رہے ہیں

شعر۵۔ بو کہ بہ مستی زنیم برسردستار گل
تامۂ گلفام را مزد رسیدن دہیم

ترجمہ ۔ ہو سکتاہے کہ ہم مستی میں اپنی پگڑی میں پھول سجالیں (اور اس طرح) مۂ گلفام کو اس کے رچاؤ کی اجرت دیں۔

○ طبع ثانی میں غزل کے اشعار کا ترجمہ نہیں ہے۔

شعر۶۔ براثر کو ہکن نالہ فرستادہ ایم
تا جگر سنگ رازوق دریدن دہیم

ترجمہ۔ کو ہکن (یعنی فرہاد) کی پیروی میں ہم نے (اپنی) فریاد (پتھر کو) پہونچادی ہے کہ پتھر کے جگر کو بھی شق ہونے کی لذت سے آشنا کردیں۔

شعر۷۔ شیوۂ تسلیم مابودہ تواضع طلب
درخم محراب تیغ تن بخمیدن دہیم

ترجمہ۔(چونکہ) ہمارا شیوہ تسلیم تواضع طلب رہاہے(اس لئے) تلوار کے خم محراب میں ہم اپنا جسم (گردن) جھکا دیتے ہیں۔

شعر۸۔ دامن ازآلودگی سخت گران گشتہ است
وہ کہ آرد زپا بہ کہ بچیدن دہیم

ترجمہ۔ ہمارا دامن آلودگی کی وجہ سے بہت بھاری ہو گیا ہے۔افسوس اگر وہ ہمیں گرا دے زہے نصیب اگر ہم اس کو اٹھالیں۔

شعر۹۔ خیز گرراز دروں در جگرنے دمیم
نالۂ خودرا ز خویش داد شنیدن دہیم

ترجمہ۔ اٹھ کہ ہم رازداروں کونے کے جگر میں پھونک دیں(اور اس طرح) اپنے نالے کی سماعت کی داد دیں۔

شعر۱۰۔ غالبؔ از اوراق ما نقش ظہوریؔ دمید
سرمہ حیرت کشیم دیدہ بدیدن دہیم

ترجمہ۔ (اے) غالب ہمارے اوراق (تحریر۔اشعار) سے تو ظہوری کا نقش (رنگ) پیدا ہو گیا (اور نتیجہ") ہم (یہ ماجرا) حیرت کا سرمہ آنکھوں میں لگائے(بیٹھے) دیکھ رہے ہیں۔

خط نمبر۲

عقول سزاوار اور افکار بالغہ کو (قضا و قدر نے) خدا تعالیٰ کی درگاہ دشوار گزار میں بار نہیں دی ہے اور بصیرت و دانش میں سے کسی دیدہ ور صاحب دانش پر بجز اس آگاہی کے کہ ہمہ از وست یا ہمہ اوست کچھ نہیں کھولا ہے۔ اور عقل کہ (خدا کی) مخلوق اول ہے یہی شایان شان ہے کہ ہمہ داں وہمہ بیں ہو۔ یقیناً اس کے بعد جو کچھ بھی معرض ظہور میں آتا ہے (اسکو) ماہیت کا یہ طاقتور فرشتہ عیاں کر سکتا ہے۔ (لیکن) کلام اس میں ہے کہ وہ ہست و بود کو کہ جو اس کی بھی تخلیق سے پہلے کا واقعہ ہے' کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ (تو) جب عقل ہم سے بھی زیادہ درماندہ ہو تو ہم کہ عقل کے ایک تھوڑے سے حصے کے مالک ہیں (اس) خرد آفرین کے سمجھنے میں کیوں نہ لاچار ہوں۔ (تو) بھلا کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم خُدا کو خالق (مانیں) اور عقل کو آفرینش میں کلام کا جو فرِبلستان (یانورستان) خرد کا پر تو ہو سکتی ہے ہمدم و ہمراز جانیں۔ عقل کے موتی کو سخن کے ترازو میں تولیں اور آہنگ سخن کو عقل کے سانچے میں ڈھالیں۔ وہ زبان و بیان ہو یا حکمت و دانش یہ لطف خداوندی اور آمیزۂ کرم الٰہی ہے۔ ○ ان سب باتوں کے باوجود اس علم کی ضروریات کا معلم (حقیقی) سے سیکھنا اور زبان و بیان کے راہ شناس کی پیروی میں یہ راہ طے کرنا ہی تہذیب کہلاتا ہے۔ تو اے دوست یہ دیکھو کہ میرے نامور' روشن دل اور روشن گہر برادر زادہ میرزا علا الدین خان بہادر کہ جنہوں نے عقل خدا داد کی روشنی میں میری رہنمائی میں راہ سخن طے کی ہے (انہوں نے) ○○ میرے بڑھاپے اور بزم سخن سرائی میں اپنی جوانی کے دوران مجھ

○ "باایں ہمہ از دربایست ہای ایں کار آموختن فرہنگ است از آموزگاروبہ' پیروی راہ دان ہمودن راہ گفتار" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "اس کے ساتھ معلم سے اکتساب علم اور راہ سخن کا راہ شناس کی پیروی میں طے کرنا ضروری ہے۔"

○○ "درپیریِ من و برنائی خویش بہ بزمستان سخن گستری جای من از من گرفت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "اور میرے بڑھاپے میں میری جگہ مجھ سے لی ہے"۔

سے میری جگہ چھین لی۔ چنانچہ جس طرح وہ قرابت داری اور یگانگت میں میری جہاں میں آنکھ کی پتلی ہے ہنرمندی اور تدبر کی مسند پر میرا جانشین بھی ہے۔(خدا کرے کہ)اس نوجوان کے فکر کی تومندی کے باعث' اسلوب سخن ہمیشہ نیا (رہے) اور میرے عقیدت مندوں کا دل اس کی محبت میں رہن رہے۔ غالبؔ

☆..☆..☆

بنام جان جاکوب صاحب

خط نمبرا

اے سردار فرخندہ خو، پرسوں کہ منگل کا دن اور فروری کی اٹھائیس تاریخ تھی ایک خط بذریعہ ڈاک آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ قطعات اور تاریخ کو درست و صحیح کر کے جو ٹھیک تھا اس کو اسی طرح رہنے دیا ہے اور وہ کاغذ کہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کو اس خط کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ اپنے وقت پر آپ کی نظر سے گذرے گا۔ غزلوں کو ابھی فکر تیزرو کی پرکار پر نہیں ناپا۔ (ان کو بھی) یقیناً" چند دن میں دیکھ لوں گا۔

اس خط کے کہ جو آپ کو لکھ رہا ہوں خاص طور پر دو مقاصد ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ قصیدہ کہ جو اس بار [آغاز سال ۱۸۴۲ء] میں نے نواب گورنر جنرل بہادر (LORD EDWARD LAW ELLEN BOROUGH) کو پیش کیا ہے اور جس کا مطلع

ے ای برتراز سپہر بلند آستان تو تو پاسبان ملک وملک پاسبان تو

ہے، تین مطلعوں اور چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس کلیات میں کہ جو میں نے آپ کو بھیجی ہے قصائد میں مندرج ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو مژدہَ اطلاع ارسال کریں ورنہ سیدالاخبار (اخبار دہلی) سے دیوان میں نقل کر لیں۔

دوسرے یہ کہ یہ خط آپ کے پاس ہیرا لال لے کر آرہے ہیں جو اس شہر کے شرفاو محبوبان عہد میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک عمر [بڑودے کے] حکیم کاظم علی خاں کی رفاقت میں گزاری ہے۔ اس کے بعد وطن کی محبت سے مجبور ہو کر دہلی آگئے اور یہاں بے بسی سے عاجز ہو کر چاروناچار بالاخر گوالیار جا پہنچے۔ ان کا خط صاف ہے اور وہ اصول تحریر سے واقف ہیں۔ اگر وہ آپ کے کام آسکیں تو اپنے پاس رکھ لیں اور ان سے کتابت کا کام لیں اور اگر مزید گنجائش ہو تو [COL. ARTHUR SPEARS]

کرنیل ریزیڈنٹ گوالیار' صاحب والا صفات کے پیش خدمتوں میں یا کسی اور صاحب مرتبہ شخص کے ہاں جگہ دلا دیں اور اس نامہ نگار پر احسان کریں۔اور اگر یہ دونوں صورتیں وجود پذیر نہ ہو سکیں تو ان کو زاد راہ اور سواری سے نوازیں اور ان کی اس طور امداد کر دیں کہ یہ گوالیار سے بڑودے تک جا کر اپنے آقائے سابق سے مل سکیں۔ یقیناً یہ تینوں صورتیں کہ بیان کی گئیں ناممکن اور مشکل نہیں ہیں اور گوالیار میں ایک پیش خدمت کی ملازمت اور ایک غریب (آدمی) کا (گوالیار سے) بڑودے تک جانا اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ جس کے کہنے میں مجھے تکلف ہو اور جس کی سفارش کرنے میں مجھے تامل' خاص طور پر آپ کے معاملے میں کہ آپ سے روحانی محبت ہے اور غیریت نہیں ہے۔ والسلام محرر خط اسد اللہ روسیاہ تحریر کردہ بتاریخ دوسری مارچ ۱۸۴۳ء بروز جمعرات کہ سعد اکبر سے منسوب ہے۔

☆..☆..☆

اسد اللہ گم کردہ راہ کی طرف سے ایک عرضی میر ولایت علی صاحب مخاطب بہ شرف الدولہ کی خدمت میں

خط نمبرا

خدا کی لعنت مجھ پر کہ (میں نے) شاہزادہ ماہ لقا [نصیر الدین حیدر ولی عہد شاہ اودھ] کے حضور زمین بوسی کی آرزو کی اور وہ بھی آپ کی وساطت سے۔ مجھے بہرطور یقین ہے کہ اہل عقل کو اس کا علم ہے کہ میرے گوہر تابان کی تابانی میں کہ جس کی چمک دمک ایک عطیۂ الٰہی ہے اس تقصیر کے باعث کہ جو قدر ناشناسوں کی جانب سے ہوئی، کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن ○ وہ ادا کہ جو طور طریقے کے مطابق نہ ہو بھلا (میری) طبیعت کو کس طرح گوارا ہو سکتی ہے۔ اس ہی دفعہ شاہزادے سے نہیں ملا ہوں بلکہ اس سے پہلے بھی دوبار اس نشیمن باسعادت میں گیا ہوں۔ اور ہر دوبار (انہوں نے مجھے) فوراً باریابی بخشی ہے اور دیر تک بٹھایا ہے اور میری عزت افزائی کی ہے۔ لیکن اس بار شاہزادے کے رویے کو فطری نہیں کہا جا سکتا۔ یقیناً میرے آنے سے پیشتر ہی اس بات کا فیصلہ کیا جا چکا تھا کہ تھوڑی دیر مجھے پاسبانوں کے ساتھ بٹھایا جائے اور جب تک کہ شہزادہ کو صندوقچے کے مشغلے میں نہ لگا لیا جائے مجھے حضور میں نہ بلایا جائے اور جب سامنے آؤں حضرت صاحب عالم اظہار التفات نہ کریں اور مجھے بیٹھنے کی اجازت نہ دیں۔ گویا کہ شاہزادہ ایک ورق سادہ ہے کہ نقاشوں اور رنگ آمیزوں کے ہاتھ میں آپڑا ہے تاکہ رنگ رنگ کے ڈول ڈالیں اور طرح طرح کے نقش بنائیں۔ قصہ مختصر تقریب اور چیز ہے اور تخریب اور۔ ہم تو آپ سے مقرب (کا کردار) چاہتے تھے نہ کہ مخرب کا۔ ع۔ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ترجمہ۔ دراصل جو ہم سمجھ رہے تھے وہی غلط تھا۔

○ "اما ادائی کہ نہ ہنجار باشد چگونہ بامنش سازگار باشد" طبع ثانی میں یہ ترجمہ اس طرح ہے "لیکن ادائے ناہنجار (میری) طبع (لطیف) کے لئے سازگار کیسے ہو"

افسوس شہزادہ کی زمین بوسی کا ارادہ کرنا اور پھر آپ سے مروت کی امید رکھنا۔ہم شاہ پرستوں میں ہیں اور کشور کشاؤں کے دست تیغ آزما ہی سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔(بھلا) زاویہ نشینوں سے ہمارا کیا تعلق ○ اور رشتہ گسستگاں سے کیا تعلق۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اس تحریر کے ذریعے آپ سے تلافی کا خواہشمند ہوں۔(نہیں) میرا مقصد تو آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میں نہیں جانتا۔ والسلام۔

☆..☆..☆

○ "و بہ گسستگان چہ پیوند" طبع ثانی میں یہ ترجمہ اس طرح ہے "اور متفرق اشخاص سے ہمیں کیا پیوند"

بنام مولوی رجب علی خان

خط نمبر ا

ﮯ ○ سپاسے کزاں نامہ نامی شود سخن در گزارش گرامی شود

ترجمہ۔ (میں) وہ تشکر کہ جس سے خط کی قدر بڑھ جاتی ہے(اور) جس سے بات اپنے اظہار میں وقیع ہو جاتی ہے خالق کل کے حضور میں اور اس آقا کی خدمت میں بھی کہ جو حضرت علی مرتضیٰ کے خاندان سے ہے بجا لاتا ہوں۔ پہلی خوش نصیبی اور مبارک فال تو میرے لئے یہ تھی کہ سعادت مند منشی جواہر سنگھ جوہر کے خط کے ساتھ آپ کا شفقت نامہ کہ بمنزلہ آفتاب اقبال کے تھا مشرق سے طلوع ہو کر نظرافروز ہوا اور اس کے بعداس بہاردار چادر کا پہنچنا کہ جس پر سبز، سرخ رنگوں اور سنہرے کنارے کا ایک سبزہ زار ہے جس کے سامنے چاروں طرف ارغوانی بیل بوٹے بنے ہیں اور اس کے گرد اگرد آفتاب جہاں تاب کی کرنیں اور جونما (بوٹے) سرتا سر کڑھے ہیں۔ میں مذہب عربی کا ماننے والا اور کعبہ کی پرستش کرنے والا نہیں، جو مجھے گورنر کے دربار کی باریابی میں (جو کہ اکثر ملی ہے) وہ احساس شرف اور سلطان دہلی کی جانب سے خلعت کے ملنے پر کہ انہوں نے ایک بار ازراہ محبت مجھے بھیجی تھی، اس قدر مسرت ہوئی ہو جتنی اس سبزچادر کے ملنے پر۔ یہ بادشاہوں کی وہ خلعت نہیں ہے کہ آزاد منش لوگ جس کی پروا نہ کریں اور صاحب عقل جس کو باعث افتخار نہ جانیں۔ (بلکہ) یہ تو خانہ اہل عبا کی خلعت کے سبب وہ عزت افزائی ہے کہ جس سے ظاہری قدر افزائی بھی ہوتی ہے اور باطنی سرخروئی بھی۔ (اس کے سبب) بیرونی خوشحالی بھی ہے اور اندرونی تازگی بھی۔

○ طبع ثانی میں یہ شعر اور جملہ اسطرح ہے "سپای کزاں نامہ نامی شود سخن درگزارش گرامی شود ہم از آفریدگا د وہم از خواجہ مرتضوی تبار بجای آرم" "خدا کے حضور میں اور اس خواجہ مرتضوی تبار کی خدمت میں بجا لاتا ہوں"

آج کہ منگل کا دن اور دسمبر کی چھبیس تاریخ ہے آدھا دن گزر چکا تھا اور آفتاب سمت الراس پر پہنچ چکا تھا کہ اس چھت سے گرے خزانے کے مل جانے پر میں دولت مند ہو گیا۔ چونکہ مجھ سے صبر ممکن نہ تھا اور اتراہٹ کے سبب پھولا نہ سماتا تھا فورا" آدمی کو بازار بھیج کر سبز ریشم منگوایا اور ہدایت کی کہ فورا" دونوں ٹکڑوں کو جوڑ کر سی دیں۔ (ملازمین بازار) گئے (ریشم) لائے (چادریں) سیں (ان کو) تہہ کیا اور مجھے دے دیں۔ میں نے آئنہ سامنے رکھ کر دستار باندھی اور (فرط افتخار سے) سر آسمان سے ٹکرایا اور اس ہی حالت میں کہ میں نے بیان کی (آپ کو) خط لکھنا شروع کیا۔ خدا جانتا ہے کہ جب تک یہ نہ کر لیا ہیجان خاطر رفع نہ ہوا اور اضطرابی دل دور نہیں ہوئی۔

اور یہ جو آپ نے اپنے قلم اعجاز رقم سے گرامی نامہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ چادر بغیر مانگے بھجوائی جا رہی ہے تو اگر بندے کی گستاخی سے درگزر فرمائیں (اس امر پر) کہ اس کو ناخواستہ کہنا درست نہیں ایک دلیل پیش کر سکتا ہوں۔ ہاں اگرچہ بظاہر فرمائش میں نے منشی جواہر سنگھ سے کی تھی اور اس کا حصول خدا سے چاہتا تھا۔ یقیناً میری اس آرزو کا جو میں نے خدا سے کی تھی مقربین خدا ہونے کے سبب (منشی جواہر سنگھ کے) اظہار سعادت آثار سے پیشتر ہی اگر آپ کو علم ہو گیا ہو اور بارگاہ ایزدی سے اس خواہش کی تکمیل کا پروانہ مل گیا ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ (کسی) استاد کا ایک شعر کہ مناسب حال ہے تحریر کر رہا ہوں تاکہ جناب عالی بھی ملاحظہ کر لیں۔ بھلا ہو اس کا جس نے کہا ہے

کرد ظرف خواہش ما کوتہی قطرۂ آبے ز دریا خواستیم

ترجمہ۔ ہماری خواہش کے ظرف نے کوتاہی کی (کہ) ہم نے سمندر سے ایک قطرہ طلب کیا

والسلام بہ ہزاراں احترام بندہ درگاہ اسد اللہ ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء

خط نمبر ۲

اے ارسطو کا مرتبہ رکھنے والے' اے سکندر کی سی فوج والے' اے نصیریوں کے مددگار اور اے حیدریوں کے غمخوار- بندہ کو دیکھتے ہی آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ غالبؔ کسی جانکاہ غم میں مبتلا ہے-

زیں کہ دیدی بہ جحیم طلب رحم خطاست   سخنے چند زغم ہائے نہانی بشنو

ترجمہ-تونے جو مجھے طلب رحم کی دوزخ میں دیکھا(تو تیرا وہ سمجھنا)غلط ہے(البتہ) چند باتیں میرے غمہائے نہانی کی سن لے-

باتیں بہت سی ہیں اور ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کو بھلا دیا جاتا ہے تاکہ اس درد کی صورت میں کہ زندگی جس درد کی دوا کی تلاش میں مبتلا ہے' اظہار کیا جا سکے- میرا چچا انگریزی سرکار میں صاحب جاہ و دستگاہ و ملک و سپاہ تھااور سیلاب گزر جانے پر جس طرح زمین گیلی رہ جاتی ہے میرے پاس بھی دولتمندی کے ان آثار کے بعد صرف عزت ہی باقی رہ گئی-گورنر کے دربار میں داہنے ہاتھ کے عزت مندوں مجھے ہمیشہ نشست ملتی تھی اورمیں ایک قصیدہ بطور نذر کے پیش کرتا تھا اور اس نذر کے عوض کہ جو مدح سرائی کے بدلے میں نہیں بلکہ رئیس زادگی اور سرداری کی شناخت کے طور پر بھی مجھے جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید کے ساتھ خلعت ہفت پارچہ ملا کرتی تھی اور گورنمنٹ کے فرمان کے بموجب مجھ پر خلعت کی نذر معاف تھی-(لیکن) اب دربار لاہور کی PRECEDENCE LIST [مجریہ لاہور ۶ ستمبر ۱۸۶۴ء مرسلہ بہ دفتر کمشنر دہلی بتاریخ ۱۳ ستمبر سال مذکور] دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ مجھے رئیس زادوں کے زمرے سے نکال کر عوام کے جرگے میں بٹھا دیا ہے اور نذر کے پچاس روپے اور خلعت کے پچھتر روپے مقرر ہوئے ہیں- لازما" حیرت نے مجھے فرماندہ کر دیا ہے-(چونکہ) یہ سابقہ صورت میں کوئی کمی نہیں بلکہ ازسرنو ایک نئی ہیئت ترتیب دینا ہے' حیرت کیوں نہ ہو-خون نے جوش مارا حاکم پنجاب [لفٹنٹ گورنر رابرٹ منٹگمری] کی درگاہ میں اپنی

نالش لے کر گیا اور یہ عرض کیا کہ اگر یہ سزا کسی گناہ کے بدلے کے طور پر ملی ہے تو مجھے وہ خطا بتائی جائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو میرے مرتبہ میں تخفیف نہ کی جائے اور مجھے میرے (سابقہ) منصب پر بحال کیا جائے۔ (لیکن) ○ جناب منٹگمری صاحب بہادر نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا اور ولایت چلے گئے۔ اب دیکھنا ہے کہ فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر کیا رائے رکھتے اور کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ کو یہ روداد سنانے کا دراصل مقصد یہ ہے کہ اگر اس ضمن میں آپ کوئی عنایت کر سکتے ہوں تو مہربانی ہو گی ورنہ ہدایت (فرمایئے کہ کیا کیا جائے)۔ زیادہ حد ادب غالب محتاج انصاف۔

☆..☆..☆

○ "منٹگمری صاحب بہادر سگالش نکردند" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "منٹگمری صاحب بہادر نے اس باب میں کوئی گفتگو نہیں کی"

خطوط بنام تفضل حسین خان صاحب مرحوم
[خیر آبادی]

خط نمبرا

حضرت سلامت وہ شفقت نامہ کہ جس نے روانگی کے پر جے پور سے کھولے تھے اپنی دل فریبی اور امید افزائی کے باعث دل کا غم ہی نہیں (سارے کا سارا) دل ہی لے اڑا۔ چونکہ جے پور جنابعالی کی قیامگاہ نہیں اس لئے میں نے جواب لکھنے میں تامل کیا۔ اب کہ دو ہفتے سے زائد گزر چکے ہیں سمجھتا ہوں کہ (آپ) جے پور سے اجمیر پہنچ چکے ہوں گے۔ (چنانچہ) یہ خط اجمیر بھیج رہا ہوں اور محصول ڈاک آپ کے ذمہ ڈال رہا ہوں۔ لازمی عام خیال یہی ہے کہ ڈاک کے اہلکار بیرنگ خط کے پہنچانے میں زیادہ محصول کے حصول کی امید پر زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

اے آقائے بندہ پرور اس سے پیشتر کلیتا" اپنے سے شرمندہ تھا کہ ایک صاحب مرتبہ کی مدح سرائی کر کے دست سوال دراز کیا۔(اور) اب آپ سے شرمسار ہوں کہ بار بار زحمت اٹھا رہے ہیں۔ فرنگی فقیروں کی سفارش (بھی) گوارا کر لیتے ہیں۔ آپ برابر سفارش کرتے رہے اور آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ ابھی مزید کہنے کی ضرورت باقی ہے۔اگر اس سے یہ مراد ہے کہ میں احسانمند اور شکر گزار رہوں تو خدائے منصف کی قسم کہ میں احسان مند بھی ہوں اور شکر گزار بھی۔اور شکرگزار کیوں نہ ہوں کہ آپ نے جیسا کہ چاہیے تھا اپنے تلطف و غمخواری کا حق ادا کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس ہی خط میں جس کا جواب تحریر کر رہا ہوں آپ کے قلم مہرباں رقم نے لکھا تھا کہ آپ نے کوئی فضیلت کا حکم نواب صاحب [وزیرالدولہ نواب ٹونک] کی زبان سے میرے حق میں سنا ہے۔ اور اس کے بعد آپ سلسلہ جنبانی کریں گے کہ

وہ حکم جاری کیا جائے۔ گویا اس حکم کا اجرا (آپ کی) تحریک پر موقوف ہے۔غرضیکہ دل مضطرب کو سکون ہوا۔

بات دراصل یہ ہے کہ مجھے ان دنوں ایک ضرورت کے تحت اکبر آباد جانا پڑرہا ہے تاکہ لفٹنٹ گورنر بہادر [SIR CHARLES THEOPHILUS METECALFE] سے جو میرا پرانا آشنا و مربی و غمخوار ہے اپنا درد دل بیان کروں۔ اب صرف اس کا منتظر ہوں کہ ایک دو بارشیں ہو جائیں' ہوا سرد اور زمین (ذرا)ٹھنڈی ہو جائے تو عزم سفر کروں اور آگرے کا راستہ پکڑوں۔اوراس کام میں لامحالہ کم ازکم ایک مہینہ لگے گا اور اس صورت حال میں کیا ہی اچھا ہو اگر ان چار ہفتوں کے اندر اندر جس قسم کا جواب بھی کہ ممکن ہو مجھے مل جائے تاکہ [SIR THOMAS HERBERT MADDOCK] ماڈک صاحب کا مہرزدہ خط بھی میرے پاس ہو اور اس وسوسے اور پریشانی سے آزاد ہوں کہ آپ کا خط دہلی پہنچے اورڈاک کے ہرکارے مجھے نہ پا کر خط آپ کو لوٹا دیں۔ چونکہ مہربانی و شفقت کا مرتبہ دور اندیشی کے مقابلے میں برتر رکھا گیا ہے میری خواہش ہے کہ اس آغاز (کار) کو انجام تک پہنچائیں اور اس کام کو اس ماہ کے اندر اندر ختم کر دیں۔

میرزا علی بخش خان [رنجور] سلام کہتے ہیں اور فخرالدین [پسر رنجور] تسلیمات عرض کرتا ہے۔ مشفقی و مکرمی سید ارشاد حسین صاحب [آپ کے بھائی] کی خدمت میں میرا سلام پہنچے اور (ان کو) خط نہ لکھنے کی معافی چاہتا ہوں اور (ان کو) خط کسی اور وقت کے لئے ملتوی کرتا ہوں والسلام مع الاکرام اور چونکہ ضروری ہے اس لئے (لکھتا ہوں) جواب طلب۔ منجانب اسد اللہ بے ادب۔

خط نمبر ۲

بخدمت وافر المسرت بھائیوں کو پناہ دینے والا' مرکز امید کا سرمایہ خدا اس کو

زندہ رکھے۔ (یہ فدوی) قلم کی زبان سے جو دل کا ترجمان اور شوق کا ایلچی ہے بات کرتا ہے۔

اس سے پیشتر میرے مشفق طالع یار خان نے آپ کا گرامی نامہ مجھے دیا تھا اس کا جواب اسی ہی دن لکھ کر میں نے اس پسندیدہ خصلت کے حوالے کر دیا ہے اور دو تین دن بعد مجھے خبر ملی کہ سرکاری ملازموں میں سے صرصر نامی ایک ہرکارہ اس خط کو لے گیا۔

یہ چند دن کہ طالع یار خان شہر میں قیام پذیر تھے اچھے گزرے کہ کبھی کبھی ساتھ بیٹھتے تو اس (یعنی آپ) یکتائے گیتی کے اخلاق حمیدہ کی بات بھی ہوتی۔

ایک ہفتے سے زیادہ نہ گزرا ہو گا کہ مکرمی قاضی فصیح الدین بداوٗنی کا آگرے سے دہلی آنا ہوا۔ چونکہ آپ سے مل کر آئے تھے اور اس بزم ہی سے آنا ہوا تھا اسلئے آپ کا ٹونک سے متھرا جانا اور متھرا سے اکبر آباد (جانے کا حال) مجھے بتایا۔اس نجستہ صفت کو بھی اپنی طرح آپ کی تعریف و توصیف میں اپنا ہم زبان پایا۔ مجھ سے رخصت ہوئے آج تیسرا دن ہے۔ میرا سلام لے گئے ہیں کہ آپ کو پہنچائیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ آپ بھی جلد ہی آگرے سے عازم ٹونک ہوں۔ اور جب اس مبارک منزل پہنچیں تو یہ خط کہ طالع یار خان کے حوالے کر رہا ہوں آپ کی نظر سے بھی گزرے۔

واضح ہو کہ اس بار طالع یار خان نے کہ میرے قدیم دوست ہیں ایک بڑا بوجھ میرے کاندھوں پر ڈال دیا۔(یعنی) ہندی کی ایک عبارت کا جو بانک کے داوٗ پیچ پر مشتمل تھی فارسی میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی اور اس کام کی تکمیل کو والا صفت عالی جناب نواب [صاحب ٹونک نواب وزیر محمد خان] کی خاطر اقدس کی خوشنودی کا سبب بتایا۔چونکہ میں بلند مرتبت کے خوان نعمت کا ریزہ چین رہا ہوں اور شکرانہ (احسان) مجھ پر واجب تھا (اس لئے) توسن خامہ کو (میں نے) اس تنگ گزرگاہ پر دوڑا

دیااور اس صحیفے کو کہ دیباچہ وخاتمہ دونوں رکھتا ہے ترتیب دے کر کارفرما کے حوالے کر دیا۔ (البتہ) اس میں ایک عرضداشت کا اضافہ کر دیا تاکہ (نواب صاحب موصوف کی) میرے نام ایک سند توصیفی کی آرزو کی تکمیل کا سبب بن جائے۔

دیباچے کے اسلوب کی خوبی کی داد پہلے تو آپ سے اور اس کے بعد مطاعی ومخدومی ظہور الدین علی سے کہ خدا○ ان کی برکات کو ہمیشہ قائم رکھے چاہتا ہوں۔ ○○وہ ملاحظہ کریں اور اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ (میں نے) ممدوح کو اس دیباچے میں کس زبان سے (یاد کیا ہے) اور فن بانک کی تعریف میں کہ جس کی حقیقت کسی سے مخفی نہیں' بات کو کس مرتبے پر پہنچا دیا ہے۔اوران ساری خوبیوں کے ساتھ کیا دیباچہ اور کیا نفس رسالہ اسلوب تحریر کی جدت اور اظہار و بیان کے اچھوتے پن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نفس مضمون اپنی خاص روش کے مطابق قائم رہا ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے باوجود جانتا ہوں کہ میرا اپنی جادو نگاری پر فخر کرنا اس وقت جائز ہو گا اور مجھے اپنی جاں گدازی کی داد (صرف) اس وقت مل سکے گی کہ جب رفیع الشان نواب سلطان نشان کے غلام میرے طرز اظہار کو پسند کریں گے۔

○○○جب بات یہاں تک پہنچی اور عرض مدعا بھی مکمل ہو گیا' قلم اپنے ہاتھ سے رکھتا ہوں اور خط کو تہہ کرتا ہوں۔ عمر دراز ہو اور دولت روز افزوں۔

○ "دامت برکاتہ" اور ○○ "تا بنگرند و دریابند" کا طبع ثانی میں ترجمہ رہ گیا ہے۔

○○○ "چوں سخن بدینجا رسید و مدعا سراسر گزاردہ آمد خامہ ازکف می نہم و نامہ را فرومی پیچم" طبع ثانی میں ترجمہ اس طرح ہے "اس عرض مدعا کے بعد قلم ہاتھ سے رکھتا ہوں اور خط کو اس دعا پر ختم کر کے تہہ کرتا ہوں۔"

خط نمبر ۳

قبلہ جان و دل (خدا آپ کو) سلامت (رکھے)۔اپنی تقصیر کی معذرت چاہتا ہوں اور (اپنے) دوست کی کریمی پر بھروسہ کرتے ہوئے سخن آغاز کرتا ہوں۔ اس خدا کی قسم کہ جس نے نور عقل کو دل و جان میں اور خزانہ سخن کو زبان میں ودیعت کیا کہ میں جناب عالی سے خوش ہوں اور جس طرح خدا کے وجود پر خوش گمان ہوں اسی طرح یہ بھی سمجھتا ہوں کہ میری حاجت بر آری میں آپ انتہائی کوشاں ہیں۔(لیکن) جب کام (خود) ہی نہ ہوتا ہو اور جب سننے والا بات پر کان نہ دھرتا اور عمل پر آمادہ نہ ہو (تو بھلا) حضرت کیا کریں اور دوسرے سے میری خواہش دل کی جبرا" کس طرح تعمیل کرائیں۔ (دراصل) اس ضمن میں مجھ ہی کو چاہیے تھا کہ میں (مزید طوالت) مقصود سے قطع نظر کرتا اور اپنے دوست کو زیادہ زحمت نہ دیتا اور خدا گواہ ہے کہ (واقعی میں) قطع نظر کر چکا ہوں اور اپنے کئے پر پشیمان ہو چکا ہوں۔

اس خط سے ہرگز ہرگز یہ نہ خیال کیجئے گا کہ غالب کج فکر ایک فقیر ہے اور حجت کرنے کا عادی۔بلکہ یہ خط ایک سوال پر مبنی ہے جس کا مجھے جواب چاہئے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میں کمترین مخلوق میں ہوں اور ایک گوشہ نشین شخص ہوں لیکن بے نواؤں کے فرقے میں اور ناداروں کے زمرے میں میری بھی (کچھ) آبرو ہے۔ میں فقیر ضرور ہوں لیکن فقیر بارگاہ اور روشناس بادشاہ۔اگر میں نے تخت نشین دہلی کی مدح میں موتی پروئے ہیں تو اس نے (بھی میری سخن وری کو سراہتے ہوئے) اپنی شفقت کا منشور مجھے دیا ہے اور اگر گورنر جنرل کا قصیدہ کہا ہے تو اس نے اپنی خوشنودی کے خط مجھے بھیجے ہیں۔ چنانچہ ایک سند تو سیفی ابوظفر سراج الدین بہادر بادشاہ کی اور ایک خط جیمس طامسن گورنر اکبر آباد کا (اس وقت) میرے سامنے ہے۔ ہرچند کہ ان سلطان صفت حکام کے التفات نامے کہ مجھے ملے ہیں بہت ہیں لیکن ان میں سے میں نے صرف ان کا ذکر کیا ہے جو خصوصا" مدحیہ قصیدے کے وصول ہونے پر اور اظہار

خوشنودی و نمائش مہربانی کے طور پر (بھیجے گئے) ہیں۔ افسوس کہ نواب عالی جناب [وزیر محمد خان والی ٹونک] نے تحسین کا جواب تحسین سے نہیں دیا اور میری عرضداشت کے جواب میں خط نہیں لکھا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ میں صلے' عطیے اور انعام کے نہ ملنے پر شاکی ہوں۔البتہ خط کے نہ آنے پر رنجیدہ ہوں اور اس موقع پر میری رنجیدگی بے جا بھی نہیں اور اسکے باوجود کہ رنجیدہ ہوں گلہ مند نہیں ہوں۔ یہ جو کچھ بھی جو میں نے کہا بر سبیل حکایت ہے نہ کہ بر سبیل شکایت۔(اور وہ اس لئے) کہ انہیں دنوں میں میرا فارسی کلام کا دیوان جو کم و بیش سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے [مطبع دارالسلام دہلی میں] چھپ رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ دو ماہ کے اندر اندر مکمل ہو جائے۔میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک جلد بطور عطیہ کے خدمت عالی میں بھی بھیجوں گا تاکہ مجموعہ نثر کے ساتھ دیوان نظم بھی ان کے پاس ہو۔(اب) میرا یہ ارادہ ہے کہ چوں کہ نواب نے مجھے درخور اعتنا نہ سمجھا اور میری مدح کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تو میں بھی کم ظرفی سے کام لوں اور اس قصیدے پر خط تنسیخ کھینچوں اور دیوان میں شامل نہ کروں۔ جس طرح نواب نے میرا نام اپنے دفتر میں پسند نہیں کیا میں بھی ان کے نام نامی کو اپنے دیوان میں گوارا نہ کروں۔ اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے!

امید رکھتا ہوں کہ اس خط کا جواب جلد نہ کہ بدیر دے کر مجھے خوش اور کشمکش کی قید سے آزاد فرمائیں گے۔ ایک ہفتے سے زیادہ اس خط کے جواب میں نہ لگائیں چونکہ دیوان کی طباعت جلد ہی اس قصیدۂ نامقبول تک پہنچنے والی ہے۔افسوس صد افسوس کہ میرا خون جگر پینا رائیگاں گیا۔(بھلا) ان بزرگوار کی مدح کا سودا میرے سر میں کیوں سمایا!(مجھے) نہ انعام دام و درم ہی ملا کہ اس کو اپنے کلام کے موتیوں کی قیمت جانوں اور نہ ہی لطف و کرم کا صلہ کہ اس سے صبر حاصل کروں۔

میں نے خط کی ابتدا میں عرض کیا ہے اور اس کو آخر میں بھی دہراتا ہوں کہ مجھے اپنا غلام تصور کریں اور یقین کریں کہ آپ سے خوش ہوں۔ اور میری باتوں کو

انصاف کی نظر سے دیکھیں اور مجھ سے خفا نہ ہوں۔اس خط کا جواب جلد لکھیں
والسلام مع الاکرام منجانب اسد اللہ یکم ربیع الاول سنہ ۱۲۶۱ ہجری۔

خط نمبر ۴

؎ داغم زسوز غم کہ خجل داردم زخلق بوئے کہ تن زسوختن استخواں دہد
ترجمہ۔اس سوزغم سے کہ جس نے مجھے لوگوں میں خجل کر دیا ہے میں سلگ رہاہوں۔
اس بو کے سبب جو ہڈیوں کے جلنے پر جسم سے نکل رہی ہے۔

سبحان اللہ ایک عرصہ ہوا کہ میری دانست میں آپ کعبہ میں ہیں اور حجراسود کے گستاخانہ بوسے لے رہے ہیں اور (میں) یہ سننے کا برابر منتظر رہا کہ عیاذ باللہ کب کعبے سے لوٹے اور سفر حجاز سے واپس آئے۔ رب کعبہ کی قسم جب تک کہ طالع یار خان سے میری ملاقات نہیں ہوئی اور ان سے یہ نہ معلوم ہوا کہ جناب عالی اپنے وطن تشریف لے گئے تھے اور سات ماہ بعد واپس آئے ہیں اور فی الوقت اجمیر نہیں بلکہ ٹونک میں قیام پذیر ہیں' میں وہی سمجھتا رہا کہ جو (اوپر) بیان کیا اب البتہ (یہ خبر) سن کر آگاہی ہوئی اور (آپ کا) خط باعث مسرت ہوا۔

میں تو ہمکلامی کا پیاسا ہوں اور ظاہر ہے کہ دو اشخاص جب ایک دوسرے سے دور ہوں تو زبان قلم ہی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔(چنانچہ) آپ کا نامہ نامی پڑھتے ہی خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اب میں خط لکھ رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ تحریر ختم نہیں ہوتی مجھے چین نہیں آئے گا۔لیکن ہردم یہ خیال میرے دل کو ڈس رہا ہے کہ آپ ٹونک میں ہیں اور ارشاد حسین خان سفر میں تو جو خط لکھا جائے تو بھیجا کس پتے پر جائے۔یہ سوچا ہے کہ طالع یار خان ہی سے پوچھوں اور یہ خط اس عقلمند آدمی کی رہنمائی ہی میں بھیجوں۔

آپ نے جو نوازش فرمائی ہے اور (میری) سرگزشت پوچھی ہے تو سنئے۔ کوتوال

[فیض الحسن خان] میرا دشمن تھا اور مجسٹریٹ [کنوروزیر علی خان] ناواقف۔ فتنہ گھات میں تھا اور مقدر خراب۔ باوجود اس کے کہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہوتا ہے لیکن مجھے خوار کرنے میں اس کا ماتحت بن گیا اور (اس نے) میری گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے اور سیشن جج نے باوجود اس کے کہ میرا دوست تھا ہمیشہ میرے ساتھ محبت سے پیش آتا اور مہربانی کرتا اور بارہا میرے ساتھ شراب نوشی میں شریک رہتا' آنکھیں بند کر لیں اور بے اعتنائی اختیار کر لی۔مقدمہ صدر عدالت پہنچا' کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور وہی فرمان بیداد قائم رہا۔ پھر نہ معلوم کیا ہوا کہ جب (قید کی) ساری میعاد ختم ہونے کو آئی تو مجسٹریٹ کا دل پسیجا اوراس نے صدر عدالت سے خود اپنے حکم کی تنسیخ اور میری رہائی کی درخواست کی۔ اس کی درخواست منظور ہوئی بلکہ اس کی اس خواہش کی تعریف کی گئی لوگ کہتے ہیں کہ سرآوردگان قوم نے اس سرپھرے یعنی ناانصاف مجسٹریٹ کو ملامت کیااور میری آزادہ روی اور خاکساری اس پر واضح کی۔ (اور یہ سب) اس طور پر کہ (بالاخر) اس نے میری رہائی کی درخواست خود ہی کی' معذرت (بھی) کی اور اس کے علاوہ بھی معافی' تلافی اور دل جوئیاں کرتا رہا اور میں چونکہ ہر صفت' ہر فعل اور ہر امر کو منجانب اللہ سمجھتا ہوں اور خدا سے جھگڑا جائز نہیں اس لئے جو کچھ بھی ہوا اس سے بے غم ہوا اور جو کچھ گزرا اس پر خوش۔ لیکن چونکہ آرزو کیش بندگی کے خلاف نہیں۔۔۔

عشق است وصدہزار تمنا مرا چہ جرم گر خواہشے کند دل شیدا مرا چہ جرم

ترجمہ ۔ عشق ہے (اور اس کے) ساتھ ہی لاکھوں آرزوئیں (امیدیں) میرا کیا قصور ہے(اوراگر) دل شیدا کوئی خواہش کرتا ہے تو میرا کیا قصور ہے۔

اس کے بعد یہ خواہش ہے کہ دنیا میں نہ رہوں۔ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں روم ہے' مصر ہے' ایران ہے' بغداد ہے' اور سب سے بڑھ کر تو کعبہ کہ خود آزاد منشوں کی پناہ (ہے) اور رحمت اللعالمین کا سنگ آستانہ (ان کے) عاشقوں کی

تکیہ گاہ ہی کافی ہے۔ وہ کون سی گھڑی ہو گی کہ اس ذلت و خواری کی قید سے کہ جو حقیقی قید سے(جو گزری) زیادہ روح فرسا ہے رہائی پاؤں گا اور بغیر کسی منزل کو ذہن میں لائے صحرا میں نکل کھڑا ہوں گا۔وہ سب تو مجھ پر بیت چکا اور یہ سب کچھ وہ ہے جس کی آرزو ہے۔

خط نمبر۵

یا اللہ یہ بہشتی ہوا کا جھونکا اچانک کہاں سے آیا کہ مشام جاں معطر ہوگیا۔اس سے پیشتر تحریر کے پردہ ساز میں آپ کے قلم کی جنبش سے یہ آواز آتی تھی کہ آپ عازم حجاز ہیں۔ بارے یہ نہ ہوا اور آپ کعبے نہ گئے اور اسکے بعد آپ کے برادر گرامی سید ارشاد حسین خان کی تحریر سے ایک ہولناک بیماری کی خبر ملی۔پھر جب میں نے بے قرار ہو کر پرسش احوال کی تو معلوم ہوا کہ اس قادر مطلق نے وہ بلا ٹال دی ہے اور وہ پریشانی و خوف رفع ہو گئے ہیں۔

اس ہی عرصے میں طالع یار خان ٹونک سے آپہنچے۔انہوں نے بتایا کہ جناب عالی وطن تشریف لے گئے ہیں اور جاتے ہوئے کہہ گئے ہیں کہ واپسی میں کچھ مدت لگے گی۔ غرضیکہ ان دنوں میں کہ میں جنابعالی کو خیر آباد میں اور برادر گرامی کو کوہ آبو میں سمجھ رہا تھا اور دل میں یہ سوچتا تھا کہ خیر آباد تو انگریزی ڈاک جاتی نہیں ہے اور اگر خط کوہ آبو بھیجوں (بھی) تو پتہ نہیں کوہ آبو کے علاوہ کچھ اور نشانی بھی چاہئے اور وہ مجھے معلوم نہیں۔ وہ دن کتنامبارک اور حوصلہ افزا تھا کہ ڈاک کا ایک تیزرفتار ہرکارہ دروازے سے اندر آیا اور وہ خط کہ جس نے دارلخیر اجمیر سے اڑان بھری تھی مجھے عطاکیا۔ سودا زدہ دل کو سکون ملا اور وسوسوں کی خاردار جھاڑی جڑ سے اکھڑ گئی۔

مجھے فخر ہے آپ کی اس سخن سازی پر کہ لکھتے ہیں کہ ارادہ تھا کہ دہلی سے اجمیر جائیں گے۔یہ نہیں سوچتے کہ سننے والا کیا کہے گا کہ پھر یہ سفر کیوں نہ اختیار کیا۔ اور (پھر) نہ آنے کی توجیہہ و تفسیر سوائے نہ آنے کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ آفریں خسر،

دہلوی کی روح پر کیا خوب کہا ہے۔ ع۔ پس از آنکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد
ترجمہ۔اس کے بعد کہ میں نہ رہوں تو کس کام کو آئے گا

اب کچھ اس شہر اور علاقے کے احوال لکھتا ہوں۔ اس ہی سوزوساز مین میری روداد بھی واضح ہو جائے گی۔برادر گرامی سعید اختر محمد ضیا الدین خان بہادر [نیر رخشاں] جیسا کہ ان کا ہر سال کا معمول ہے دو ہفتے ہوئے کہ شملے گئے ہیں۔برادر عزیز علی بخش خان بہادر [رنجور] نے شہر کی رہائش ترک کر کے عرب سرا میں کہ جو مقبرہ سلطان المشائخ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی ہے اقامت اختیار کر لی ہے۔ امین الدین خان پہلے ہی بچھڑ چکے ہیں۔ ان دو اشخاص سے میری ہمدمی تھی (سو) اب ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہو گی۔

اس گوشہ نشینی کے باوجود کہ میرا مسلک (حیات) ہے کیخسرو کی شان و شوکت والے بادشاہ [بہادر شاہ ظفر] نے کہ اللہ اس کو ہمیشہ قائم رکھے' مجھے عرش نظیر تخت کے پائے کے نزدیک (دربار میں) بلایا اور خلعت و خطاب عطا فرمایا اور اپنے اجداد کی تاریخ فرماں روائی لکھنے پر مامور فرمایا۔ میں نے دل میں کہا ہاں غالب آشفتہ سر سخنوری کی آبرو رکھنا اور ہر چند کہ داستان سرائی آزاد منشوں کا طور طریق نہیں ہے' طعنہ زنوں کو زبان درازی کا موقع نہ دینا۔ چونکہ مبدء فیاض نے (میری) خواہش سے بڑھ کر مجھے (تخلیقی استعداد میں) حصہ دیا ہے حمد و نعت' مدح بادشاہ' خطاب زمیں بوس' سبب تالیف اور صاحب قران امیر تیمور نامور' حضرت ظہیر الدین بابر' و جناب نصیر الدین ہمایوں کے حالات' اسلاف کی روایت کے بموجب لکھے جا چکے ہیں اور یہ سارے (عنوانات) آٹھ جزو کاغذ میں سمائے ہیں اور حسینان معنی کا دلکش مرقع ہیں۔اب اکبر بادشاہ کی اکیاون سالہ حکومت کے حالات لکھنے ہیں۔ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے اور قلم میرے ہاتھ میں کس طرح چلتا ہے۔

برادر درخشاں خصلت ارشاد حسین خان کو سلام کہیں اور چونکہ انہوں نے

تہنیت خطاب پر جو خط لکھا تھا میں اس کا جواب نہیں دے سکا ہوں مجھے شرمسار جانیں۔ان دنوں یہ جنون سوار تھا کہ رات دن اس کتاب[پرتوستان] کی تحریر میں اور اس کے اسلوب تحریر میں منہمک تھا اور تمام قوئی کتاب کی ترتیب پر کہ حمد و نعت و مدح سے عبارت ہے مرکوز تھے۔والسلام بہ ہزاراں احترام۔

خط نمبر۶

○اے آقائے جاں نواز چونکہ اس تنگ راہگذار میں دونوں مرکب ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ہم تو اس راہ کے مسافر ہی ہیں (چنانچہ) اس خط میں بھی شادی و غم دونوں کی بات ہونی ہے اور خود خوشی اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ چودہ سال کی تاریکی کے بعد میری رات چودھویں کے چاند سے روشن ہو گئی گویا [مثنوی]جام جم کے مصنف [اوحدی مراغی] نے خود میری زبان سے کہا تھا۔

اوحدی شصت سال سختی دید   تا شبے روئے نیک بختی دید

ترجمہ۔ اوحدی نے ساٹھ سال سختی کے دیکھے تب کہیں ایک رات نیک بختی نظر آئی۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ یقیناً ایک سمندر نہیں بلکہ جہان علم و فن کے سات سمندر' ایک ستارہ نہیں بلکہ آسمان فضل و کمال کے سات ستارے' بلکہ نہ سات سمندر اور نہ سات ستارے جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں روانی اور روشنی میں اس سے بڑھ کر' ہمارے آقا مالک اور فضل میں ہمارے درمیان سب سے بڑھ کر مولوی حافظ فضل حق المخاطب بہ امیر الدولہ بہادر کا دہلی آنا ہوا۔ اور غالب حق پرست کو معتزلہ اور اشاعرہ کے (عقیدے کے) خلاف اس دنیا ہی میں حق کا دیدار ہو گیا۔(لیکن) میرے خیال میں یہ تجلی حق بجلی کی شکل میں تھی کہ آقائے گرامی نے دو ہفتے سے زیادہ شہر میں قیام نہیں کیا۔چنانچہ کل منگل کے دن رامپور جا رہے ہیں۔

○ "رواں پرور صاحبا" طبع ثانی میں یہ ترجمہ ہے "جان نوازا"

اب وہ غم کہ جس کی طرف خط کے شروع میں اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ میری ایک پھوپھی جو دو دوسری پھوپھیوں، تین مشہور چچاؤں، ایک باپ، ایک دادی، اور ایک دادا کی (باقی) نشانی تھی اور میرے لئے ان آٹھ بزرگوں کی جگہ تھیں انتقال کر گئیں اور میرے اوپر ان کی وفات سے وہ کچھ گزری کہ ○ جو جگر پر خنجر سے اور گھاس پر آگ سے نہیں گزرتی۔

آج ○○ دن چڑھے مولانا کے ساتھ ہم نشینی اور ہم سخنی کا موقع ملا۔ مولوی شاہ محمد نامی (ایک صاحب) نے کہ میں انہیں نہیں پہچانتا اور اب ان کے چلے جانے کے بعد مولانا سے معلوم کروں گا کہ کون ہیں بات چیت شروع کی اور بتایا کہ میں ٹونک جا رہا ہوں، میں نے پوچھا میرا خط لے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بس ہاتھ باگ پر ہیں اور پاؤں رکاب میں۔ میں نے کہا فبہا۔ ایک پیغام حوالے کیا ممکن ہے پہنچا دیں۔

(عزیز) دوست جانی بابو بانکے لال کے، خدا ان کو طویل زندگی دے، خط سے راجستھان کے دور حکومت کا حال معلوم ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو بھی سفر کی زحمت اٹھانی پڑے اور یہ خط جو مولوی شاہ محمد لے گئے ہیں نہ معلوم کب اور کہاں پہنچے۔ یہ بھی شاہ محمد ہی کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کے برادر گرامی میر ارشاد حسین اور فرزند سعادت مند میر احمد حسین خدا ان کو عمر دراز دے آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں یا جلد ہی پہونچنے والے ہیں۔ بھائی اور بیٹے کا یہ دیدار سعید آپ کو مبارک ہو اور یہ سعادت روز افزوں ہو۔ میں بھی دور سے برادر (گرامی) کو سلام اور بھتیجوں کو دعا بھیجتا ہوں۔

○ "کہ ہرگز از دشنہ نرود و برخس از آتش" طبع ثانی میں ترجمہ اس طرح ہے "جو دشنے سے جگر پر اور آگ سے خس پر گزرتی ہے۔"

○○ "امروز چاشت گاہ" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "آج صبح کے بعد"

فتح پور (سیکری) کے مخدوم زادگان اپنے کام کے سلسلے میں مجھ سے جواب مانگتے ہیں۔ (بتایئے)○ ان غرض مندوں سے کیا کہوں۔اس سے پیشتر جو خط جنابعالی کو لکھا ہے وہ میرے افکار خاطر کی ایک مفصل فہرست ہے۔مزید کیا کہوں۔ والسلام مع الاکرام اسد اللہ دوسری ربیع الثانی اور دوسری جنوری ۱۸۵۴ء

خط نمبر ۷

اے (مخاطب) کہ (آپ کی) تابندگی تہذیب و نجستہ خوئی جو عطیہ ایزدی ہے' اس سے پیشتر ہی کہ آنکھ کو دیدار کی شناسائی نصیب ہو' میرا دل لے اڑی ہے اور اے (مخاطب) کہ (آپ کی) دل کش (تحریر) کی تابانی اور (انداز) بیان کے روح پرور انجام نے اس خاموشی میں میری زبان کو گویائی اور میرے قلم کو روانی عطا کی ہے' یہ دلنواز خط کہ ناگاہ مجھے ملا میرے لئے قبولیت کی مہرزدہ سند کا جواز رکھتاہے۔ لازمی دوست (یعنی آپ) کی جانب سے جواب کی خواہش نے مجھے اس امر پر مجبور کر دیاکہ بارے تحریر اس انداز کی ہو کہ صاحب بصیرت عقلمند اس کو پسند کریں۔ انتہائی عاجزی کے ساتھ عرض ہے کہ اس سے پیشتر بھی سخن طرازی اور نکتہ نگاری میں مجھے مہارت حاصل تھی۔ کاش وہ غم جو مجھے لاحق ہے اتنا گراں نہ ہوتا تاکہ یہی قلم داستان سرائی کے ان (پرانے) راستوں پر چل سکتا۔ لیکن افسوس یہی قلم کہ جو اٹھلا اٹھلا کر رقص کرتااپنی نوا سنجی کی روش سے نشاط اندوزی کرتا اور کبک دری کو طرز خرام اور مرغ صبح گاہی کو نغمہ ریزی سکھاتا (تھا) اس ناتوانی کے عارضے کے سبب جو مجھے لاحق ہے' قدم اٹھانے سے ایسا لاچار ہے اور اس طرح سرمہ بہ گلو ہو گیا ہے کہ اگر کبھی دو تین سطریں لکھی بھی جائیں○○ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم نہیں ہے انہیں (کہے گئے) الفاظ کا قطرہ قطرہ نچڑ رہا ہے۔ خدا خواجہ نظیری کی روح کو خوش رکھے ایسا معلوم ہوتا ہے میری زبان سے (یہ شعر) کہا ہے۔

○ "تا بہ پژوہندگان چہ گویم" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "ان لوگوں سے کیا کہوں"

○○ "پنداری ایں خامہ خود نیست ہماں سخن است کہ بعصارہ می رود" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اسطرح ہے "یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب قلم ہاتھ میں نہیں۔ صرف قوت ناطقہ کی تقطیر ہو رہی ہے۔"

نہ با گلم نظرے نے بصوتم آہنگے
شکستہ بالم و صیاد در کمیں دارم

ترجمہ۔ اب نہ ہی میری نظر کسی پھول پر پڑتی ہے اور نہ ہی میری آواز میں کوئی نغمگی ہے۔ میں شکستہ پر ہوں اور صیاد میری گھات میں ہے۔

برادر نیک فطرت میرزا علی بخش خان بہادر نے جو سلام بھیجا تھاوہ اس پسندیدہ خصلت کو پہنچا دیا گیا۔(وہ بھی) سلام کا جواب سلام ہی سے دیتے ہیں اور ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہیں۔ دیدۂ و دل کا سرور غلام فخرالدین خان خود یہاں نہیں ہیں۔ روزی کی تلاش ان کو قلمروئے پنجاب میں لے گئی ہے۔پرسوں (ہی) ان کا خط آیا ہے۔مقدر کے شکرگزار ہیں کہ قصور کے قرب و جوار میں کہ وہ بھی اسی سلطنت کا ایک حصہ ہے' فوجداری کی عدالت میں سرشتہ داری پر مامور ہو گئے ہیں۔ انسانیت کے خاندان کے چشم و چراغ جناب ارشاد حسین صاحب کی خدمت باسعادت میں تسلیمات عرض کرتا ہوں اور اپنے اوپر اس بات پر غصہ آ رہا ہے کہ جب اس خط میں یہ سب لکھا ہے تو مخدومی کے نام نامی کے لئے ایک علیحدہ ورق کیوں نہ تحریر کر دیا۔تو یہاں بھی وہی ناتوانی جس کے ظلم کی بابت اس تحریر کی ابتدا میں عرض کر چکا ہوں اس کی عذر خواہ ہے۔ منجانب اسد اللہ۔

☆..☆..☆

خطوط بنام منشی ہرگوپال تفتہ

خط نمبر۱

میرے مشفق ہرگوپال تفتہ اسد اللہ از خود رفتہ کا سلام قبول کریں اور یہ زحمت گوارا کریں کہ چونکہ کئی دن سے مجھے محمد حسین نظیری اور جمال الدین عرفی کے دیوان کی تلاش ہے اور یہ سننے میں آیا ہے کہ یہ دونوں نسخے ان کرمفرما (یعنی آپ) کے پاس ہیں' لازمی یہ چاہتا ہوں کہ یہ دونوں نسخے یعنی دیوان نظیری و عرفی اسی وقت حامل خط کے حوالے کر دیں اور اگر اتفاقاً" یہ مجموعے اس وقت بھیجے نہ جا سکیں (تو) کل صبح جب (آپ) میرے پاس آئیں اپنے ساتھ لیتے آئیں اور یہ جان لیں کہ یہ درخواست بصد اصرار ہے اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔

خط نمبر۲

اے عالی مرتبت (اور) اے خاقانی جیسے علم و فضل والے وہ نثر اور نظم (دونوں) جو بھیجی تھیں نظرافروز ہوئیں۔تمہارے دیوان نے جامئہ طباعت پہن لیا اور تکمیل کا زیور پا لیا ہے۔اب جو کچھ کہیں گے (تو) اس کا کیا کریں گے البتہ اگر نیا نقش بنائیں اور دوسرے دیوان کا ڈول ڈالیں۔

حیران ہوں کہ تم افسردہ کیوں ہو! وہ کون سا حلقہ دام ہے جسے توڑنے کا ارادہ ہے؟ کسی کی نوکری نہیں' (دل میں) کوئی زخم نہیں' صحبت (احباب) ہے اور عیش و آرام ہے۔ جس طرح چاہیں رہیں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک فکر سخن کیا کریں۔ غزل کہیں شراب پئیں اور آزادی کی زندگی گزاریں۔

لکھنؤ توبھاڑ میں جائے۔خوشامد کرنا میری عادت نہیں ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ لکھنؤ میں اپنا جیسا (دوسرا) نہ پائیں گے۔غزلیں میں نے دیکھیں اور مجھے پسند آئیں

اور جہاں جہاں بھی کچھ خیال گزرا وہ لکھ دیا-امید ہے آپ (بھی) پسند کریں گے اور دل میں جگہ دیں گے۔

اس دریائے فضل و کرم کے کہ جن کا نام نامی بابو جانی بانکے لال ہے التفات اور مہربانی کا آپ نے کچھ ذکر کر کے محبت کے پردے میں مجھ پر بہت بڑا ستم روا رکھا ہے-ہاں اے تفتہ میری جان اور تیری جان کی قسم یہ ساری دوست نوازیاں اور سخت کوشیاں تیری ہی ہیں-ہر چند کہ میں اس قبیل سے ہوں کہ لین دین میں مجھے کوئی باک نہیں ہوتا' نہ لینے میں مجھے شرم ہوتی ہے اور نہ دینے میں (کسی پر) احسان کرتا ہوں لیکن تو خود بتا کہ ناکردہ خدمتوں کا صلہ لینے میں مجھے خجالت کیوں نہ ہو۔ (میری وہ حالت ہے) جیسے کوئی پانی میں ڈوب جائے' نہ سانس لے سکے اور نہ بات کر سکے۔ میں بھی عرق انفعال میں بات کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ کاش بابو صاحب بھی یہ طریقہ میرے ساتھ نہ کریں اور جو کچھ ہو چکا اس ہی پر اکتفا کریں-ان پچپن سال میں میرا اس قسم کا معاملہ کسی سے نہیں پڑا اور اس قسم کے پے در پے احسانات میں نے کسی کے قبول نہیں کیئے۔

کل کہ جمعرات کا دن اکتوبر کی ۲۳ تاریخ تھی تمہارا خط بابو صاحب کے خط کے ساتھ ملا۔○ ایک دن اور رات تمہارے اشعار کی تصحیح کی اور آج کہ جمعہ کا دن اور ۲۴ تاریخ ہے جواب لکھا۔ کل کہ ۲۵ تاریخ ہے یا پرسوں ۲۶ ہو گی ڈاک کے سپرد کر دوں گا۔ اور اس خط کا جواب کہ جس کی روانگی کی اطلاع تم نے دی ہے اس کے بعد بھیجا جائے گا کہ جب آپ بھرت پور یا آگرے سے مجھے خط بھیجیں گے-اور کیا کہوں کہ اس سے زیادہ کہنے کے لائق کچھ ہے نہیں۔ منجانب اسداللہ جمعہ ۲۴ اکتوبر۱۸۵۱ء

○ "یک شبانروز اشعار شار اگر ستم" طبع ثانی میں اس جملے کا ترجمہ پہلے کر دیا گیا ہے۔

خط نمبر ۳

اے مخلص نواز' عرصہ ہوا کہ منشی نبی بخش (حقیرا) کے خدا ان کی عمر دراز کرے' خط کے ذریعے تمہارا اکبر آباد آنا' تمہارے دیوان کی اشاعت کا چرچا اور شاہ آثار مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر (راجہ بھرت پور) کے وکیل ریاست (جانی بانکے لال رند) کی وساطت سے تمہاری شہرت کا علم ہوا۔ میں اس کا منتظر تھا کہ یہ حکایت تمہارے قلم کی زبانی سنوں۔ پرسوں ڈاک کا ہرکارہ آیا اور تمہارا نامہ مسرت فزا لایا۔ تمہارے مجموعہ اشعار کی طباعت ہمیں اور تمہیں (دونوں کو) مبارک ہو۔

○ یقیناً تمہیں یاد نہیں رہا کہ جب میں نے تمہارے دیوان کا (مسودہ) دیکھا تھا تو کہا تھا کہ مرزا عبدالقادر بیدل نے اپنے دیوان غزلیات کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ ہر ایک زمین میں دو غزلیں لکھی ہیں اور ان غزلوں کے درمیان کہ دونوں ایک ردیف اور قافیہ کی ہیں ایک مختلف زمین کی غزل رکھی ہے اور بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تمہارا دیوان بھی اس ہی نہج پر مرتب ہو۔ تو بچ وہی ہوا جو ہم نے چاہا تھا۔ تمہارے کلام کی رونق بڑھی اور میری مسرت۔

دوسرے یہ کہ اس تعلق کو جو بغیر طلب کے پیدا ہو گیا ہے غنیمت جانیں اور اس کو آزادمنشی اور قلندری کے منافی تصور نہ کریں اور انجمن میں خلوت اور وطن میں مسافرت توسالکوں کا شیوہ ہے۔ جب میں نے اپنے آپ کو بادشاہ کی ملازمت کے حوالے کر کے ان کی خدمت کی انجام دہی کا فرمان قبول کر لیا ہے (تو آپ بھی) راجہ کی ملازمت میں میری پیروی کریں اور اس اتباع پر خوش رہیں۔

ہوشیار' مبارک فطرت' نیک خصلت جانی بانکے لال کو میں نے جوزف جارج کے گھر کہ میرا پرانا دوست ہے دیکھا ہے اور پہلی ملاقات ہی میں روشناسی محبت

○ "ہمانا شمارا از یاد رفت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "تمہیں یاد ہو گا"

تک پہنچ گئی۔ (اور) آج تک وہ حسن صورت' حسن خصلت و حسن گفتار ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ اس شفقت کے سبب کہ جو انہوں نے تم سے کی ہے اور تمہاری قدر شناسی کے سبب انہوں نے مجھے اپنا ممنون و احسان مند بنا لیا ہے۔اس وجہ سے کہ وہ برہمن ہیں اور دانشور (بھی) اور میں ہر فرقے کے بزرگ زادوں اور ہر جماعت کے اہل دانش کو عزیز رکھتا ہوں میری جانب سے وہ لفظ کہ جو (ہندی کے لفظ) پالگن کا ترجمہ ہو سکے ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔

برادر گرامی پسندیدہ خو' فصاحت صفت' منشی نبی بخش [حقیر] نے کہ خدا ان کا مددگار ہو' مرسان جاتے وقت اپنی روانگی کی خبر دی ہے۔ اور مرسان سے اپنے فرزند گرامی منشی عبداللطیف کی وساطت سے خط ارسال کیا ہے۔چنانچہ ہم نے کل اس کا جواب لکھا ہے اور منشی عبداللطیف کو خدا' ان کی عمر دراز کرے' علی گڑھ بھیج دیا ہے۔یہ تابان صفت بلند خاندان حکیم وارث علی خان کہ جن کا ذکر آپ کے قلم گوہر فشان سے ہوا (جانتے ہو) کون صاحب ہیں۔(یہ) غالب آوارہ و بے نام و نشان کے لئے حقیقی بھائی کی طرح ہے اور جان کے برابر۔ بلکہ جان سے بھی زیادہ عزیز۔ہم نے ایک ہی استاد سے کسب فیض کیا ہے اور ایک ہی مدرسے سے سبق پڑھا ہے۔ اگر ہزار سال بھی گزر جائیں اور ہماری ایک دوسرے سے ملاقات نہ ہو اور باہم خط و کتابت بھی نہ کریں (پھر بھی) بیگانگی فراموش اور دل (حسب سابق) محبت سے لبریز ہو گا۔ میری آرزو ہے کہ یہ خط ان کو دکھائیں' میرا سلام کہیں (اور مجھے بتائیں) کہ انہوں نے کیا کہا۔

ہاں اے تفتہ کہ نظیری کی سی نظر اور فغانی کا سا آہنگ رکھتا ہے انہیں دنوں میں نواب محمد حسین خان بہادر جو جرنیل صاحب کے نام سے معروف ہیں ڈاک سے اس شہر [دہلی] میں آئے ہیں اور چونکہ اپنے پیرومرشد میاں [غلام نصیرالدین] کالے صاحب سے' خدا ان کی برکات کو قائم رکھے' ملاقات کے لئے آئے مجھے بھی اپنے

دیدار سے شادمان کیا۔اور مجھ سے تمہارے بارے میں بات چیت کی اور تمہاری سخن وری کی تعریف کی۔چونکہ چھاؤنی میں قیام پذیر تھے اور راستہ طویل تھا اور میں بیمار (تھا' اس لئے) اس مبارک خاندان سے دوبار سے زائد ملاقات نصیب نہ ہو پائی اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کی حسرت دل (ہی) میں رہ گئی۔

منجانب اسداللہ محررہ ہفتہ ۱۷ نومبر ۱۸۵۰ء

خط نمبر ۴

قلم دو زبان بھی کہ اسد اللہ کا ہمزبان ہے اس غمزدہ کی زبان سے یہ کہتا ہے کہ جب محبت زائد سے زائد ہو اور شکایت کم ازکم تو بے شک یہی بہتر ہے کہ مطلب کی بات کہی جائے اور وہی ○ بات لکھی جائے کہ جو گفتنی ہے۔

اس وقت جب بارش ہو رہی ہے اور ○○ بے باک ہواچل رہی ہے اور مجھے دن رات سوائے شراب پینے کے اورکوئی کام نہیں ہے' تمہارے تین خط پے در پے پہنچے۔ پہلے خط کا جواب تیار کر کے آگرے بھیج دیا ہے۔ چنانچہ اس کا اندراج ڈاک کے رجسٹر میں موجود ہے اور وہ پیر کا دن ہے مارچ کی ۲۲ تاریخ۔ممکن ہے بابو صاحب کے ملازمین (یعنی بابو صاحب) اس کو محفوظ کر لیں اور جب تم سے ملاقات ہو تمہارے حوالے کر دیں اور تیسرا ○○○ خط جو نامہ نگار کے لئے حرز جان ہے اور اگر اس اشارے کو تو نہ سمجھے تو میں یہ کہوں کہ میرے برادر گرامی و نیک بخت کا خط بھی اس کے ساتھ ہی تھا (جس نے) دل کو بے چین کردیا۔اور قلم شگفتہ سر کو چھپے ہوئے رازون سے افشا کرنے پر مامور کر دیا۔ اس سے آگہی حاصل کی جا سکتی ہے اور میرے خط کی سیاہی کو آنکھ کی پتلی کی سیاہی کے ذریعے سویدائے دل تک اتارا جا سکتا ہے (یعنی میرے خط سے میرے قلب کی کیفیت معلوم کی جا سکتی ہے)

○ "انچہ بگفتن ارزد بشتہ شود" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "صرف حرف مدعا لکھا جائے"

○○ "بادلا ابالی پوی" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ یہ ہے "ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے"

○○○ سومیں نامہ کہ حرزجان نامہ نگار" طبع ثانی میں ترجمہ اس طرح ہے "اس خط کو توجہ سے پڑھنا اور جو کچھ کہا گیا ہے گرہ میں باندھ لینا۔"

بیش از بیش اور کم از کم ایسی چیز نہیں کہ جب تک کلام جامی اور اسیر سے کوئی نظیر نہ ملے ہم نہ مانیں۔ یہ ایک پسندیدہ طرز اظہار ہے اور دلکش بیان۔بلکہ اگر بیشتر از بیش و کمتر از کم لکھیں گے تو مضحکہ خیز بات ہو گی۔○ مجھے دراصل کلام اس میں ہے کہ تسویہ کے جواز کے موقع پر یا منع تسویہ کی جگہ کمتر لکھا جا سکتا ہے یا نہیں یا (صرف) کم (لکھا جائے۔ گا)۔جامی کا مقصد تسویہ نہیں بلکہ جب وہ کہتا ہے "کم از صد غم" تو اس سے اس کی مراد ننانوے نہیں ہوتی۔ہاں اس طرح اگر ہندی کی عبارت کی فارسی کریں "چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کم ہے" تو اس کو اس طرح لکھیں "روشنی ماہ از فروغ مہر کم تر است"" "چشم ما از رخنہ دیوار کم تر نیست" علی ہذا القیاس۔

جمع الجمع کو ہم پسند نہیں کرتے اور ○○اس ضمن میں صائب کی بات ہمارے دل کو نہیں لگتی۔ ہمیں اپنی اصلاح سے کام ہے نہ کہ بزرگوں کی عیب جوئی سے۔ حور حورا کی جمع ہے اور یہ عربی لفظ ہے۔اہل فارس الف اور نون کے ساتھ حوران لکھتے ہیں۔لیکن (حوران سے) ایسا نہیں کہ جمع الجمع بن جاتی ہو بلکہ ان عقلمندوں نے حور کو مفرد قرار دیا ہے اور اس کی جمع پر الف اور نون کا اضافہ کر دیا ہے۔ہم بھی ان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اسی طرح اس کو بولتے ہیں اور اس ہی طریقے پر (اہل دانش) کا اجماع نظر آتا ہے۔ لیکن لفظ غریب کی پیروی نہیں کی جا سکتی۔

وہ مطلع کہ جس میں زندگانی ہا اور جانفشانی ہا کے قافیے تھے ہم نے اگرچہ کاٹ دیے ہیں لیکن اس کی جگہ ایک دوسرا مطلع لکھ دیا ہے کہ جس سے ظہوری کی روح کو بھی راحت نصیب ہو۔

○ "مارا سخن در آنست" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "بحث یہ ہے کہ۔"

○○ "درایں گل بہ گفتار صائب دل نبندیم" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ یہ ہے "ہم صائب کی باتوں میں نہیں آتے۔"

رائیگان است زندگانی ہا

می تواں کرد جانفشانی ہا

کس چہ ناز دبہ جانفشانی ہا

دونوں مصرعوں میں سے جون سا بھی پسند کریں اس کو دوسرا مصرع بنا لیں اور دوسرے مطلع کا خیال دل سے نکال دیں اور بیش از بیش اور کم ازکم اور کم اور کمتر کے استعمال کے موقع محل کو اچھی طرح سمجھ لیں اور بات ختم کریں۔

شفیقی مکرمی [بابو بانکے لال] صاحب کی صحت و سلامتی اور ان کے سفر حضر کے متعلق لکھیں اور اپنے ناجائز ارادوں سے باز آجانے کا مجھے یقین دلائیں۔ کالے صاحب کی رحلت کے بعد اس حویلی کے در و دیوار مجھے راس نہیں رہے۔ (اب) کوچہ بلیماران میں جھونپڑا ڈال لیا ہے۔امید ہے کہ اس ہی حجرے سے میری لاش بھی نکلے گی۔ محررہ بدھ کی صبح چوبیس مارچ ۱۸۵۲ء منجانب اسد اللہ جس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

خط نمبر۵

یہ ملحوظ رہے جب تک ہم ایک دوسرے سے دور ہیں اور خط و کتابت کے ذریعے بات چیت کا ڈول ڈالتے ہیں (تو) اگر کبھی میری طرف سے خط کے جواب میں دیر ہو جائے میری موت پر محمول نہ کرنا چونکہ (موت کے) راگ کی الاپ ایسی ہو گی کہ ہر ایک کے کانوں تک پہنچے گی۔ اور (اس تاخیر کو) میری بیماری پر بھی محمول نہ کرنا کہ میں جسمانی کسلمندی سے فرماندہ نہیں ہوتا اور اپنے کاموں سے ہاتھ نہیں روکتا۔(چنانچہ) عقلمندی اسی میں ہے کہ جب یہ (تاخیر) واقع ہو تو آپ یہ سمجھیں کہ غالب کو کوئی کام پڑ گیا ہے۔

ہائے یہ عید کہ مجھ پر محرم سے زیادہ سوگوار گزری۔اس سے دو دن پیشتر کہ لوگ شام کو ماہ نو دیکھیں اور صبح عید منائیں ○ [بہادر شاہ] کی طبیعت خراب ہو گئی

○ "شاہ رامنش برگشت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "بہادر شاہ کی حالت خراب ہو گئی۔"

اور شدید بخار اور خطرناک اسہال میں مبتلا ہو گئے۔ کہاں تک بتاؤں کہ اس عرصے میں کیا کیا بیتی۔ آج کے دن تک کہ دہم شوال اور اٹھارہ جولائی ہے امید و بیم کی وہی کشمکش ہے اور بہی خواہوں کی جان پر اسی طرح بنی ہوئی ہے۔ خون کی حدت رفع نہیں ہوتی اور دست بند ہونے میں نہیں آتے۔

روزانہ صبح قلعے جاتا ہوں۔ کھانا کبھی شاہزادوں کے گھر سے مانگ کر کھاتا ہوں اور شام کے وقت اپنے غم کدے میں آجاتا ہوں اور کبھی دوپہر اپنے گھر کھانا کھاتا ہوں تو دن ڈھلے (واپس قلعے) چلا جاتاہوں۔ آج تک تو یہی مصروفیت ہے کل کی خبر نہیں کیا پیش آئے۔

تمہارے اشعار سرسری طور پر نہیں بلکہ دیدہ وری سے دیکھ کر واپس بھیج رہا ہوں۔ پرسوں محبی جانی (بانکے لال رند) کا' خدا ان کو ہمیشہ کامیاب رکھے' سروہی سے خط آیا ہے۔ تیزرفتار سواری سے بھرت پور جا رہے ہیں۔ مجھے یہ لکھا ہے کہ اس سفر کا مقصد تفتہ کی ملاقات اور اس کی ہم نشینی ہے۔ یہ تاباں صفت (شخص) تمہیں اس قدر چاہتا ہے کہ اگر میں دنیاداروں میں سے ہوتا تو حسد کی آگ میں سرتاپا جل گیا ہوتا۔ خدا اس کو ہمیشہ ہمیشہ (زندہ) رکھے اور جتنا کہ میں بتا رہا ہوں اس سے بھی زیادہ تم پر مہربان رکھے۔

غم و غصہ پی جاؤ اور رنجشوں کو رفع دفع کرو۔بھلا آبرو ایسی چیز ہے کہ دوست کے اور پھر ایسے دوست کے قدموں پر نچھاور نہ کی جا سکے۔بلبل کو گل کے جنون میں کانٹے کی سرزنش کی پروا نہیں ہوتی اور پروانے کو شوق شمع میں جلنے کا خوف نہیں ہوتا۔ وہ عاشقی کہ جس میں رقیب نہ ہو بے نمک روٹی کی طرح اور بے کیف شراب کی مانند ہے۔اس کے علاوہ بجز اس کے کہ خدا آپ کو عمر و دولت سے بہرہ مند کرے اور کیا کہوں۔ منجانب اسد اللہ محررہ دوپہر بروز پیر اٹھارویں شوال اٹھارہ جولائی۔

خط نمبر۶

جان من تمہارا خط جو منشی ہرگوبند سنگھ کے نام تھا مکتوب الیہ کو بھیجا گیا لیکن قاصد اس کو واپس لے آیا۔ ○شاید گنگا کی طرف گئے ہوئے تھے۔ دو تین دن رکھ کر دوبارہ بھیجا تو پہنچ گیا۔ عجب نہیں اگر ان سعادتمند کو اس کا علم ہو گیا ہو۔

میرے دل میں ایک گتھی سی تھی کہ نہ جانے تمہارے پائے راہ پیما کا کیا حال ہو (اور) تمہارا سرو رواں (دوبارہ) کب آزادانہ چلنے پھرنے کے لائق ہو۔ اس بار جو تمہارا خط پہنچا تو اس نے ایک گتھی اس پر اور ڈال دی کہ اس کو سوائے تمہارے کوئی دوسرا نہیں کھول سکتا۔ خدایا یہ آپ نے کیا لکھا ہے کہ اگر فلاں شخص اپنا رویہ تبدیل کرے تو اسکے پاس جائیں گے ورنہ غالب سے پوچھیں گے کہ کیا صلاح ہے۔ اب آپ کو چاہئے کہ جلدازجلد مجھے دوسرا خط بھیجیں اور بتائیں کہ پاؤں چلنے پھرنے کے لائق ہوا اور اس کو آرام آیا (کہ نہیں) اور اس کے چلنے پھرنے کی کیفیت کا اتنی تفصیل سے لکھیں کہ میرے لئے کافی ہو اور پھر اس گتھی کو بھی سلجھائیں جو میرے لئے الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ہرگز ہرگز دیر نہ کریں اور جو کچھ بھی ہو جلد لکھیں۔

اب تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا تمہیں اب تک علم نہیں ہے۔ نوائے خامہ پر کان دھریں کہ یہ بے زبان کیا کہتا ہے۔ مجھے میرے ایک ہم مشرب دوست نے جے پور سے یہ لکھا ہے کہ راجہ [سوائی رام سنگھ] کہ جو جوان سال و جواں بخت ہے تیرا سارا کلام کہ جو اخبار سلطانی [سراج الاخبار دہلی مطبوع مطبع سلطانی قلعہ معلی دہلی] کے ذریعے اس کی نظر سے گزرا ہے پسند کرتا ہے اور تیرا شائق ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ میں اس ضمن میں دوستوں اور اجنبیوں میں مضائقہ نہیں کرتا۔ (لہٰذا) والی جے پور سے کیوں انکار کیا جائے۔ (چنانچہ) میں نے پہلے بابو صاحب [بانکے لال] کو لکھا کہ میں ایک عرضداشت شوق کے ساتھ اپنا دیوان ریختہ بطور تحفے کے راجہ سلطان صفت

○ "ہمانا سوی گنگ روی آوردہ بودند" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "گنگا کی طرف گئے ہوئے تھے۔"

کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ حاکمین راجستھان کا مرکز ایک ہی ہے یعنی اجمیر اس لئے (اپ کے اور حاکمین راجستھان کے درمیان) باہم مراسم کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر آپ وکیل ریاست جے پور کو اس بات پر آمادہ کر لیں کہ میرے تحفے کو مہاراجہ تک پہنچا دے تو میں (دیوان ریختہ کے) چند جزو اس ورق کے ساتھ کہ جس کو خط کہتے ہیں بھیج دوں۔ چونکہ بابو صاحب [بانکے لال] نے (اس تجویز کو) مان لیا میں نے اس نسخے کو لوح اور جدول اور جلد کے ساتھ اس طرح آراستہ کیا کہ پیشکش کے لائق ہو سکے۔ اس ہفتے اگر نہ ہو سکا تو آیندہ ہفتے ڈاک کے ذریعے بابو صاحب [بانکے لال] کی خدمت میں اجمیر بھیج دوں گا۔ میں نے (مدحیہ) قصیدہ نہیں کہا ہے۔ یہی کتاب ہے اور خط۔ خدا (آپ کی) عمر و دولت میں حد و حساب سے زیادہ افزائش دے۔ اسد اللہ۔

خط نمبر ۷

اگر جان بے وفا نہ ہوتی تو جان من کہہ کر مخاطب کرتا اور اگر زمانے میں میری آبرو ہوتی تو کہتا آبروئے من۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تو مجبورا" کہتا ہوں کہ اے تفتہ تو مجھے رازداری نہ سکھا۔ میں خود اس طریق میں اپنا ہمسر نہیں رکھتا۔ اس لحن طرز جدید مرزا جلال اسیر نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ امانت دار رازم عالمے را بقدر بے زبانی ہوش دارم

ترجمہ۔ میں ایک دنیا کے راز کا امانت دار ہوں اور بے زبانی کی حد تک ہوش رکھتا ہوں

پرسوں کہ جمعہ کا دن اور دسمبر کی سترہ تاریخ تھی وہ دیوان ریختہ سلطان صفت راجہ [سوائی رام سنگھ والی جے پور] کے نام عرضداشت کے ساتھ بابو [جانی بانکے لال] صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ اب دیکھئے کب پہونچتا ہے اور پہنچنے کے بعد کیا روپذیر ہوتا ہے۔ اس دیوان کی آرائش میں میں نے کنجوسی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ مٹھی بھر زر لگایا ہے۔ کتاب بھی زرنگار اور جزدان بھی دلکش۔ چونکہ بابو

صاحب نے (اس کی) شروع ہی سے آپ کو اطلاع دے رکھی ہے آپ بھی ان سے معلوم کریں دیکھیں آپ کو کیا لکھتے ہیں۔

خدا کرے آپ کا پیر چلنے پھرنے کے لائق ہو گیا ہو اور بالآخر یہ معذوری ختم ہو گئی ہو۔ مجھے اطلاع سے نوازیں۔

والسلام از اسد اللہ محررہ صبح بروز پیر ۱۹ دسمبر ۱۸۹۲ء

خط نمبر ۸

جان من اوراق اشعار اس خط کے ساتھ کہ جس کے آخر میں سر دفتر مرزایان کی مہر تھی پہنچے۔ میں گرمی کے ظلم کے سبب مصیبت میں گرفتار ہوں اور (میرا) قلم عید کی تہنیت کی تقریب میں مدح شاہ میں تیزگام ہے۔ اگر اصلاح میں دیر ہو جائے تو ناراض نہ ہوں۔ خط پڑھنے کے بعد تمہیں واپس بھیج رہا ہوں۔ جانی [بانکے لال] جی کے عطیہ کے بارے میں صرف اس قدر ہی کہنا ہے کہ اگر کر سکیں تو اپنی کوشش کریں کہ عید سے پہلے مجھے مل جائے۔ ع۔ پس از آں کہ عید نبود بہ چہ کار خواہی آمد۔ ترجمہ۔ جب عید ہی نہ رہے تو پھر کس کام کے لئے آئے گا۔

محررہ جمعہ ۱۹ رمضان ۱۲۸۰ھ

خط نمبر ۹

جناب من! دونوں خط یکے بعد دیگرے پہنچے۔ ان میں سے دوسرا خط اسی ورود کی رسید لایا۔ واضح ہو کہ آج منگل کا دن جنوری کی چوتھی تاریخ اور عیسوی سال کا آغاز ہے۔ تھوڑی دوپہر گزری تھی کہ ڈاکیہ آیا اور تمہارے اور بابو [بانکے لال] صاحب کے خط لایا۔ دکھ کی قید ٹوٹی اور فراغت تشکیل پذیر ہوئی۔ میں صرف اس قدر ہی چاہتا تھا کہ پارسل کے بارے میں معلوم ہو جائے۔

تمہارے خط اور اس خط نے [جانی بانکے لال کا بنام تفتہ] جو اس میں منسلک تھا دل پر بہت اثر کیا۔ یہ پسندیدہ خصلت شخص تمہارے ساتھ ایسی محبت کرتا ہے کہ اس مرتبہ کی انسانیت کسی انسان سے نہیں مل سکتی۔(یقیناً) یہ جوانمرد تابندگان آسمان میں سے ہے یا بارگاہ ایزدی کے فرشتوں میں سے۔اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس سلسلے میں کوئی دریغ نہ کرتا اور آبرو میں بھی کوئی مضائقہ نہ کرتا بھلا جان کی کیا قدروقیمت ہے۔

تمہاری یہ تحریر پڑھنے کے بعد ایک سادہ کاغذ میں لپیٹ کر یہ رقعہ اس میں رکھ رہا ہوں اور پتہ تمہارا لکھ رہا ہوں اور تمہیں بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ ان آزادمنش لوگوں کے سلسلے میں تمہارے کام آئے کہ حق محبت تمہاری گردن پر نہ رہے والسلام منجانب اسد اللہ۔

خط نمبر ۱۰

ان محبت کرنے والے منکسر مزاج عاقل کو کہ جو میری جنس کاسد کے خریدار ہیں' اگر نہ جانوں کہ میرے ہمدم دیرینہ ہیں تو نادانی ہوگی۔○ مرزا تفتہ کی دوست سازی ایسی نہیں کہ دوستی صورت پذیر نہ ہو اور دونوں طرف سے دل آپس میں پیوست نہ ہو جائیں۔ نئی تصنیف جس کا نام دستنبو ہے غدر کے تقریباً پندرہ ماہ کی روداد کے بارے میں ہے۔پہنچ چکی ہوگی یا پہنچنے والی ہوگی۔ یہ ○○ تحریر میرا پارۂ جان اور روح کا ٹکڑا ہے۔ اس کی خوبی کو جتنا بھی (آپ) سراہیں گے بے اندازہ احسان میرے اوپر کریں گے۔ میں خود اسکی خوبیوں میں کاغذ کی چمک دمک' روشنائی اور سیاہی کی آب و تاب' اسلوب گفتگو میں تبدیلی نہ آنے دینا اور طرز بیان میں فرق و تفاوت نہ ہونے

○ شناسا گری میرزا تفتہ نہ آنچنان است کہ شناساوری پیکر نہ پندد" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "تفتہ کی دوست نوازی ایسی نہیں کہ دوستی کو دل نہ چاہے"

○○ "ایں نامہ خردۂ جان و ریزۂ روان منست" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "یہ کتاب میری روح کا ٹکڑا اور میرا پارۂ جان ہے۔"

کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بلند مرتبہ (یعنی آپ اس ضمن میں) کیا کچھ واقفیت رکھتے ہیں اور اس تحریر کی خوبی کو کس مرتبے پر پہونچاتے ہیں۔ امید ہے کہ (اگر آپ اس تصنیف کی ایسی آرائش کر سکیں) کہ اگر یہ لندن جائے تو وہاں کے ماہرین و اہل فن اس کی شائستگی کی تعریف کریں کہ بہرصورت میری کامیابی تمہاری شہرت ہے۔ خدا عمردراز اور شادمانی عطا کرے۔ منجانب غالب۔ بروز اتوار ۲۹ اگست ۱۸۵۸ء

خط نمبر۱۱

غالب از خود رفتہ تفتہ کو سلام کہتا ہے۔ بلند مرتبہ بالغ نظر [بابو بانکے لال] رند نے مجھے لکھا ہے کہ ایک خط راول شیو سنگھ [والی ریاست جے پور] کو لکھنا چاہئے۔میں نے دل میں کہا (ان کو) کیا لکھوں اور اس کا مقصود کیا ہو گا۔میں نے اپنے نام کی مہر خط میں رکھی اور دوست کو بھیج دی تاکہ وہ جو چاہے لکھے اور مہر لگا دے اور (اس طرح) کام کو چلتا کرے اور خط ارسال کر دے۔ اس ہی ہفتے میں ادھر سے بھی ایک خط آگیا اور مہر کے نگین کے پہنچنے کا معلوم ہوا۔ابھی میں نے اس تحریر کا جواب نہیں لکھا ہے (بلکہ) اس انتظار میں ہوں کہ جب وہ مہر کو استعمال کر لیں اور مجھے واپس بھیج دیں اور کام کی ابتدا کی خبر دے دیں تب میں جواب لکھوں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ کول [علی گڑھ سے یعنی تمہاری طرف] سے میرے خطوط کا جواب دیر سے پہنچتا ہے اور میں منتظر رہتا ہوں۔ منجانب اسد اللہ محررہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۳ء

☆..☆..☆

خط بنام جانی بانکے لال وکیل راج بھرت پور

خط نمبرا

وہ خدا جس نے سمندر بنایا اور پانی سے نقش موج پیدا کیا' جانتا ہے کہ اس قطرۂ خون پر جس کو دل کہتے ہیں کیسے کیسے ظلم ہوتے ہیں۔ موحدوں کا عقیدہ ہے اور میں بھی اسی پر کاربند ہوں کہ قطرہ عین دریا ہے۔ ○لیکن ایسا بھی نہیں کہ دریا کی روانی قطرہ پر ظلم نہ کرتی ہو۔ ○○گرداب کی صورت میں اپنے دل میں پیچ و تاب کیوں نہ کھائے اور نفس کے حباب کی شکل میں کیوں نہ کھیلے۔ اس کے باوجود راہ انصاف سے روگردانی ممکن نہیں(یعنی) دریا کو اپنی روانی میں قطرے کو آزار دینے کی رغبت نہیں۔ وہ بس بہتا ہے خواہ کچھ بھی ہو جس کسی نے بھی کہا خوب کہا ہے [سحابی استر آبادی]۔

دریا بوجود خویش موجے دارد خس پندارد کہ ایں کشاکش باوست

ترجمہ۔ موج دریا کے وجود سے ملتزم ہے۔ تنکا سمجھتا ہے کہ یہ کشاکش اس کے ساتھ ہے

آپ کی محبت افزا باتوں نے جو نوائے قلم کے ذریعے گوش ہوش میں پہنچیں دل کا سارا دکھ مٹا دیا اور آپ کا خط زخم جگر کے لئے مرہم کا پھایا ثابت ہوا اور نامہ گرامی نے شکستگی دل کے لئے مومیائی بہم پہنچائی۔ موت کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے اور مرنے والے کے بعد کب تک خون کے آنسو بہائے جا سکتے ہیں۔ مجھے تو خود اس کا رونا ہے کہ آزادانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ سوچتا ہوں کہ میری تخلیق کا حال یہ ہے کہ ایک گناہگار کو بھاری بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ کہاں میں اور کہاں رشتہ و تعلق اور کہاں' غم زن و غم فرزند۔ چنانچہ ایک غزل میں کہتا ہوں۔

○۔ "اما نہ آنست کہ روانی دریا با قطرہ ؛ شکم نہ کند" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "لیکن ایسا نہیں ہے کہ دریا کی روانی قطرے کے ساتھ کشاکش نہ رکھتی ہو۔"

○○ "در صورت گرداب برخویش چوں نہ پیچد و در پیکر حباب نفس چوں نبازد" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "دریا کا گرداب کی صورت میں پیچ و تاب کھانا اور پیکر حباب میں دم توڑنا ناگزیر ہے۔"

بہ بند زحمت فرزندوزن چہ می کشیم　　ازیں نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

ترجمہ- فرزند وزن کی زحمت کی زنجیروں سے ہم کیا کیا مصیبتیں اٹھا رہے ہیں ان طلب نہ کئے ہوئے ناگوار غموں کا کیا مزہ

تسلیم و رضا کا یہ شیوہ نہیں کہ اگر دوست کے ہاتھ سے طمانچہ کھائیں تو ماتھے پر بل ڈال لیں اور اگر پتھر برسیں تو سر چھپائیں-اللہ کا شکر ہے کہ اگرچہ اس نے بہت غم دیئے ہیں لیکن (ان کے ساتھ) غمخوار دوست (بھی) دیے ہیں- یاخدا یہ گراں مایہ لوگ کون ہیں کہ مجھ جیسے بے قدروقیمت شخص سے محبت کرتے ہیں اور تو نے ان لوگوں کو کس جوہر سے پیدا کیا ہے!

اس تحریر سے کہ جس کا جواب لکھ رہا ہوں' یہ معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے اندر (آپ) کوہ آبو چلے جائیں گے- کاش دہلی راستے میں ہوتی تاکہ یہ دولت بیدار کبھی کبھی ہمیں بھی چہرہ دکھاتی- اب شملہ' منسوری' اور آبو پر فراغت کے دن گزارنے کا وقت ختم ہونے والا ہے اور فرزانگان فرنگ ان پڑاؤں سے نیچے آنے لگیں گے اور چند دن اپنے مستقر پر آرام کرنے کے بعد پھر اپنے (معمول کے) دوروں کے طور پر راہ پیمائی شروع کر دیں گے- اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو کیا گرمی اور کیا جاڑے کہ اکثر اوقات آپ کا وقت سفر ہی میں گزرتا ہے-اگر کبھی ادھر سے گزریں تو گناہ نہ ہو گا-

آپ سے فرط شوق تکلم کے سبب قلم سے زبان قرض لے کر باتیں کر رہا ہوں ورنہ عقل تو یہ کہتی ہے کہ اس کی ضرورت نہ تھی-چونکہ فکر کو راہ سخن کھلی ملی اور دل میں آپ کے دیدار کی حرص و آرزو تھی چھپی نہ رہ سکی اور بیتاب ہو کر ظاہر ہو گئی- تحریر کو دعا پر ختم کرتا ہوں- گلشن ہستی کی بہار ہمیشہ (قائم و دائم رہے) اور عزوناز کی بہار کو خزاں نہ آئے- اسد اللہ-

☆..☆..☆

بنام میر احمد حسین المتخلص بہ میکش

خط نمبر ۱

برخوردار صاحب اقبال میر احمد حسین کو اسد اللہ کی دعا پہنچے۔ اس بات کا یقین کرو کہ تمہاری طرف سے مجھے سخت تشویش تھی۔جب کبھی صاحب سعادت و اقبال میر مہدی میرے پاس آتے تھے تو ہم دونوں مل کر تمہاری ہی باتیں کرتے تھے۔اکثر تمہاری طرف سے اس بات کا ملال ہوتا کہ رام پور سے خط کیوں نہ لکھا۔ بارے آج کہ منگل کا دن اور شوال کی تیرھویں تاریخ ہے دن چڑھے میر مہدی صاحب آئے اور (انہوں نے) تمہارا خط دیا۔رامپور میں بیس روپے ماہوار پر قناعت نہ کرنا اور وہاں سے بریلی جانا اور وہاں بیمار پڑ جانا اور وہاں مسہل کی دوائیں پی کر شفا پانا اور اب لکھنؤ کے لئے عازم سفر ہونا سب معلوم ہوا۔ اللہ تمہارا محافظ ہو۔

ایک ہفتے کے بعد دوسرا خط اعتقادالدولہ نوروز علی خان کو لکھ دیا جائے گا۔ خاطر جمع رکھیں لیکن (یہ بات) تمہارے ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اعتقاد الدولہ گوشہ نشین محض ہے۔ شاہ[واجد علی شاہ] اور مقربین دربار سے اس کا ربط ضبط نہیں مجھے حیرت ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کون سا کام سرانجام دے سکتا ہے۔ خدا سے آس لگائیں البتہ عالم اسباب میں قطب الدولہ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔اگر تقدیر تدبیر کے موافق ہوئی تو اسی کے ہاتھوں کام نکل جائے گا۔ غرض یہ کہ میری طرف سے کوتاہ قلمی نہیں ہو گی۔ والسلام محررہ ۱۳ شوال بروز منگل بوقت چاشت۔ خواجہ غلام معین الدین خان یکتا سلام کہتے ہیں۔

خط نمبر ۲

جان سے زیادہ عزیز سعادت مند میر احمد حسین خان سلمہ اللہ تعالیٰ کو اسد

اللہ کا سلام پہنچے اور(وہ) مجھے اپنی یاد میں مشغول تصور کریں۔ نامہ دل کش پہنچا اور باعث مسرت ہوا۔ بارے آغاز سفر ہی میں آپ کو کوئی منزل مل گئی ہے۔ نواب صاحب [محمد سعید خان والئی رامپور] عالی ہمت ہیں اور شرفا کی قدر کرتے ہیں۔ آج کل ان کی ذات مغتنمات (دنیا) میں سے ہے۔ ہمارا مشورہ تو یہی ہے کہ نواب صاحب کی رفاقت ترک نہ کریں اور اس بے نظیر سردار کی رفاقت کو اپنی قسمت اور تقدیر کی یاوری گردانیں اور دور دراز سفر کی ہوس کو ذہن سے نکال کر جو وظیفہ اور تنخواہ نواب صاحب نے براہ عنایت مقرر کر دی ہے اس پر قناعت فرمائیں اور ہمیشہ اپنی خیرخیریت لکھتے رہیں۔اس سے زیادہ بجز دعااور کیا تحریر کیا جاوے۔ محررہ جمعرات ۲۹ جون ۱۸۴۸ء
اسد اللہ

خط نمبر ۳

غالب کی آنکھوں کے نور، عمردراز ہو۔ کام اختتام کو پہنچا حوصلے سے کام لو۔ اور ان لوگوں کی بدسلوکیوں سے آزردہ نہیں ہونا چاہئے۔بیگم صاحب [امراؤ بیگم] کی مہر کاغذ کے حاشیے پر لگا کر بھیج رہا ہوں۔ضابطے کے مطابق مختار نامہ میر تفضل حسین خان کے نام لکھنا چاہئے اور دستور کے مطابق رقم خزانے سے حاصل کرنی چاہئے اور گنتی کے بعد [حکیم وارث علی خان کے صاحبزادے] فیض علی کو دے دی جائے۔ اسد اللہ۔

خط نمبر ۴

اے اقبال مند(تمہارا) مسرت نامہ کہ شمار میں تیسرا تھا پہنچا۔ ناظر جی [ذوالفقار الدین حیدر نظارت جنگ خان بہادر معروف بہ حسین مرزا ناظر دربار شاہ ثانی] کے نام کا خط انہیں بھجوا دیا گیا۔(انہوں نے) ابھی تک پہلے خط کا جواب نہیں

بھیجا ہے۔ اس ضمن میں تقصیر میری طرف سے نہیں ہے۔ تم نے جو کچھ اطلاعاً" لکھا تھا اس سے دل کو مسرت ہوئی اور جو کچھ بطور حکم تحریر کیا تھا وہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور (اس نے) اس سودائی دل کو قدرے پریشان کر دیا۔

میرا فارسی کا دیوان [مطبوعہ ۱۸۴۵ء] دہلی سے مدراس و حیدر آباد تک اور لاہور سے ہرات و شیراز تک پہنچ چکا ہے۔ اس میں شاہ [شاہ امجد علی شاہ والی اودھ] کا مدحیہ قصیدہ [شادم کہ گردشے بسزا کردروزگار] درج ہے اور دنیا نے اس کو دیکھا ہے۔(اب) اس ننگ کو اپنے اوپر کس طرح جائز کرلوں کہ اس کو کسی دوسرے کے نام پر مشہور کر دوں۔ یہ چاندی، سونا اور لعل و گوہر نہیں کہ میری دسترس میں نہ ہوں، یہ تو اشعار ہیں اورمبدء فیاض سے مجھے اس کے خزانے کے عطا ہوئے ہیں۔ آپ خاطر جمع رکھیں جیسے ہی کہ شاہ صاحب [قطب شاہ] کے خط کا جواب مجھے ملا اس وقت تک تازہ قصیدہ اور ایک تازہ قطعہ آپ تک پہنچ چکا ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف واقعہ بات مجھے نہ لکھیں اور جیسا میں کہوں اسی طرح عمل کرتے رہیں۔

فی الحال کام یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نام کی عرضداشت انہیں پہونچا کراس بات کا ڈول ڈالیں کہ شاہ صاحب اس کو نواب صاحب[قطب الدولہ قطب علی خان] کو دکھا کر اور اس کی عبارت کو ان کے ذہن نشین کرا کر قصیدہ بھیجنے کی اجازت حاصل کر لیں تاکہ میں اس قصیدے [ع۔ سخن ز روضہ رضواں بکوئے یار کشد] کو تمہیں بھیج دوں۔بے فکر رہیں نواب [قطب الدولہ] کی مدح کا قطعہ بھی اس کے ساتھ ہو گا۔

کوشش یہ نہیں ہونی چاہئے کہ بادشاہ مجھے اپنے ہاں بلائے۔پوری تندہی سے کوشش یہ کرنی ہے کہ صلہ حاصل ہو جائے۔اس کے بعد اگر شاہ [اودھ] مجھے بلائے گا تو زادراہ کے لئے علیحدہ رقم دے گا ورنہ میں اس صورت میں کہ قرض کا بھاری بوجھ نہ ہو (اس ہی) گوشہ اور توشہ پر کہ جو رکھتا ہوں قانع ہوں۔ میرے اجمال کو تفصیل جانیں۔ میرا خدا سے یہ عہد ہے کہ انشا اللہ ماسواحق کے کچھ نہ کہوں گا۔ اور حق تو

یہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔(یعنی) مرتبہ' اقتدار' نمائش اور خود آرائی نہیں چاہتا۔مجھے صرف آرام اور فراغت چاہیئے اور بس اور اس آرام و فراغت کا حصول اس قرض کی ادائیگی پر منحصر ہے اور قرض کی ادائیگی اس رقم سے کہ جس کا میں شاہ اودھ سے اپنے صلہ کے طور پر امیدوار ہوں ہو جائے گی۔اللہ بس ماسوا ہوس۔

خط نمبر۵

میرے دل و جان تم پر قربان ہوں۔خط پہنچا اور احوال معلوم ہوئے سنیچر کے دن ۱۳ نومبر ۱۸۴۸ء اکیس روپے بارہ آنے کی ہنڈی میں نے بھیجی ہے۔ امکان غالب ہے کہ پہنچ چکی ہو گی۔

خط مظفرالدولہ کی وساطت سے [اعتقاد الدولہ] نوروز علی خان کو بھیج دیا گیا ہے اور تمہارے بارے میں (بھی) چند باتیں لکھی ہیں۔ فی الحال قطب الدولہ [قطب علی خان] کے نام خط بھیج رہا ہوں جس کے ساتھ ستائیس اشعار پر مشتمل ایک قطعہ بھی ہے۔

[ایابکوشش و بخشش رئیس ملت و ملک
ایابدانش بینش مدار دولت و دیں]

اس بات سے خفا نہ ہونا کہ یہ خط کھلا ہوا نہیں ہے۔ دنیادار لوگوں سے میرا طریقہ کار مختلف ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی تمہارے لئے میں نے وہ کچھ لکھا ہے کہ میں جانتاہوں اور میرا خدا۔ بارے اس خط کو لے جائیں اور قطب الدولہ کو دیں اور عرض کریں کہ فلاں شخص نے اسی طرح بند بھیجا ہے۔ جب سامنے (خط) کھولا جائے اور پڑھاجائے تب دیکھیئے گا کہ میں نے کیا جادوبیانی کی ہے اور کیا لکھا ہے۔

شاہ صاحب کی خدمت میں بندگی پہنچائیں اور عرض کریں کہ حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور خط اور قطعہ میں نے قطب الدولہ کو بھیج دیا ہے۔اب آپ سے مدد

چاہتاہوں اور بس۔ قطب الدولہ سے جواب جلد حاصل کر کے بھیجیں تاکہ شاہ [واجد علی شاہ والئی اودھ] کا مدحیہ قصیدہ بھیجا جا سکے۔ اسد اللہ۔

خط نمبر۶

○اے سعادت مند تمہارا خط پہنچا اور خط اور قطعے کا میرے مرکز نظر کے ملاحظے میں آنے کا علم ہوا۔ اب ان صاحب اقبال کی تحریر کے مطابق اس خط کا منتظر ہوں جس میں ممدوح کی طرف سے میرے خط کا جواب منسلک ہو گا۔

قصیدے کے اشعار کی تکمیل سے خاطر جمع رکھیں کہ اس کام میں کوئی تاخیر نہیں ہو گی۔البتہ جس طرح پہلے بھی لکھ چکا ہوں یہ لکھ کرتاؤ کہ موجودہ والی تخت اپنے اسلاف کی طرح چالیس دن عزاداری کرتا ہے یا وہی تیرہ دن۔ دوسرے یہ جی چاہتا تھا کہ خطٔ اور قطعے کے پڑھے جانے کے وقت جو کچھ بھی اس محفل میں ہوا ہو اور ممدوح اور اس کے مقربین کی زبان پر جو کچھ بھی آیا ہو (آپ) وہ لکھتے۔ لیکن افسوس کہ آپ نے نہیں لکھا بلکہ اپنی طرف سے بھی (کچھ) نہیں لکھااور میری تحریر کی داد نہیں دی کہ میں نے نظم اور نثر (دونوں) میں بھی اور خط میں بھی تمہارا ذکر کس عنوان سے کیا ہے۔

بہرحال آج کہ جمعہ اور محرم کی چوتھی تاریخ ہے مخدومی و مولائی سید اکبر علی [شیون] مجھ سے ملنے آئے تھے۔بتاتے تھے کہ کل فلاں شخص [میکش] کو خط بھیج رہا ہوں۔میں نے بھی یہ دو سطریں لکھ کر اس پسندیدہ خصلت کو دے دیں کہ اپنے خط میں منسلک کر کے تمہیں بھیج دیں۔والسلام اسد اللہ۔

خط نمبر۷

○○اے (میری) جان، صاحب عقل، کئی دن ہوئے کہ خط ہمارے پاس آیا لیکن

○ طبع ثانی میں "سعادت نشانا" ہی رکھا گیا ہے۔

○○ طبع ثانی میں "جانا فرہنگ دانا" ہی رکھا گیا ہے۔

ہم نے ابھی تک جواب نہیں لکھا ہے اور لکھیں بھی کیا کہ کام تمام ہو چکا ہے اور اب کچھ کہنے یا تحریر کرنے کو باقی نہیں۔ خدا تمہاری عمر اور دولت میں اضافہ کرے' کام کو انجام تک پہنچایا۔ایک خاص منزل تک خود بھی پہنچے اور کام کو بھی پہنچا دیا کہ جو مقصود تھا۔ لیکن مشیت سے تو جنگ نہیں کی جا سکتی۔ بادشاہ دیوانہ' سلطنت درہم و برہم' معاملات تباہ' بھلا تم کیا کرو اور قطب الدولہ کیا کرے۔ اگر ولی عہد [محمد جاوید علی بہادر شہزادۂ دوم واجد علی شاہ] نہ بھی مرتا کام پھر بھی نہیں بنتا۔ کوئی دیوانے کے پاس قصیدہ کس طرح لے جائے اور (پھر) اس سے کیا کہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ چلو مان لیا کہ یہ بھی ہو گیا اور قصیدہ اس کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا اور اس کو پڑھنا (بھی) شروع کر دیا گیا (اور) اس نے ہنسنا اور سر مٹکانا شروع کر دیا اور پڑھنے والے کے ہاتھ سے کاغذ لے کے دانتوں میں چبایا اور زمین پر پھینک دیا یا سنا لیکن دوسرے کسی کام کی طرف متوجہ ہو گیا اور سائل کے مقصد کی بابت کوئی بات نہیں کی (تو کیا فائدہ ہوا) (یا) فرض کر لیں اور مان لیں جنون میں بڑے گن ہیں کی حکیمانہ ضرب المثل کے مصداق خلعت بھیجنے یا ہزار اشرفیاں دینے کا حکم دے دیا۔ (تو ان حالات میں) اس کا حکم کون پہنچائے گا' خلعت کون بھیجے گا' رقم کون دے گا اور حکومت کے اہلکار دیوانے کے حکم پر (بھلا) رقم کیوں دینے لگے اور خلعت کیوں بھیجنے لگے۔ اگر بادشاہ دیوانہ ہے تو وزیر [مدار الدولہ علی نقی خان بہادر] تو دیوانہ نہیں۔ مختصر یہ کہ یہ ساری باتیں میں نے سمجھ لی ہیں اور ○ فریب کاری تقدیر سے عاجز ہوں۔ ہر چند کہ آپ (میرے پیارے) اس خیال سے کہ میں شکستہ دل اور غمگین نہ ہو جاؤں مجھے مژدۂ امید دیتے رہتے ہیں اور حقیقت حال کو مجھ سے چھپاتے ہیں لیکن ایسے بڑے بڑے راز بھلا کہاں چھپے رہ سکتے ہیں۔ یہ تو آدھے دن کے سورج کی طرح روشن ہے کہ شاہ اودھ محض دیوانہ ہے اور وزیر کج دار و مریز (کی حکمت عملی) سے کام چلا رہا ہے۔ ان سطور کے لکھنے کا دراصل مقصد یہ ہے کہ ان توقعات سے میں نے (یکسر) قطع نظر کر لیا ہے اور اب

○ "از نیرنگ قضا بخود فرومانده" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اسطرح ہے "اور نیرنگ تقدیر پر حیرت زدہ ہوں۔"

کسی امید کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ (البتہ) تمہاری طرف سے فکرمند ہوں اور قطب الدولہ کے لئے بھی غمگین ہوں اور خاک نہیں سمجھتا کہ بالاخر کیا ہو گا۔ اب تم میری امید اور ناامیدی سے قطع نظر کر کے شاہ (اودھ) کا حال (امور) سلطنت کی کیفیت' قطب الدولہ اور شاہ اودھ کے دوسرے مصاحبین پر جو گزر رہی ہے وہ اور تم نے جو کچھ بھی اپنے بارے میں سوچا ہے وہ ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کم و کاست کے مجھے لکھو۔ میں نے تو اس مصرعے کے مصداق۔ ع۔ گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب

ترجمہ۔ میں مطلب کی منزل سے گزر چکا ہوں اور مطلب ختم ہو چکا ہے۔ اپنے مقدر کو آزما لیا اور یہ تیسری بار ہے۔ پہلی بار نصیرالدین حیدر نے [قصیدہ گر بہ سنبل کدۂ روضہ رضوان رقتم] مدح سنی اور صلہ دیا۔ (لیکن) روشن الدولہ [منیر الملک محمد حسین خان بہادر قائم جنگ وزیر دربار اودھ] اور منشی محمد حسین سارا کا سارا کھا گئے اور مجھے ایک پائی بھی نہیں ملی دوسری بار امجد علی شاہ نے مجھے مصاحبی پر قبول کیا اور حکم دیا کہ پانچ ہزار (روپے) بطور صلہ اور پانچ ہزار روپے بطور زادراہ کے کل دس ہزار روپے بھجوائے جائیں اور فلاں شخص کو (یعنی مجھے) یہاں بلایا جائے۔ ابھی اس حکم پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ اس کو سرطان ہو گیا اور وہ دو ہفتے صاحب فراش رہ کر فوت ہو گیا۔ اب اس بار جو کچھ بھی ہوا تم خود اچھی طرح جانتے ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(تمہاری بیوی) ظفری بیگم کی عرضی کہ جو میر مہدی کے قلم کی لکھی ہوئی تھی میر امام الدین نے مجھے دی ہے۔ یہ اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں پڑھ لیں۔ اور معلوم ہو کہ امراؤ بیگم زوجہ [بہادر شاہ] بادشاہ نے میر امام الدین کو جواب دے دیا۔ بیچارہ روزگار کی کشمکش سے عاجز آیا ہوا ہے اور اس پر بیٹی [ظفری بیگم] کی پرورش دشوار ہو گئی ہے۔ منجانب اسد اللہ محررہ جمعرات پانچ جولائی مطابق تیرہ شعبان جواب طلب۔

خط نمبر ۸

اے اقبال مند روایتی مسلمہ حساب سے کئی دن اور میرے انتظار خاطر کے حساب سے سالوں گزر گئے ہیں کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ منگل کا روز اور جنوری کی تیئیسویں تھی کہ تاریخ یمنی کا پارسل ادائیگی محصول کے بعد میں نے ڈاک میں ارسال کر دیا۔(لیکن) آج تک کہ اتوار کا دن اور فروری کی چوتھی تاریخ ہے اس کے پہنچنے کی اطلاع مجھے نہیں ملی۔ تیرہ دن کی مدت کم نہیں کہ کتاب کے لکھنؤ پہنچنے اور خط کے لکھنؤ سے دہلی پہنچنے کے لئے ناکافی ہو۔

دوسرے میں نے تمہیں لکھا تھا کہ حامد علی خان کا احوال لکھو۔یہاں پر ان کے بارے میں افواہیں پھیل رہی ہیں۔خدا ان کو قیدو قیدخانے سے محفوظ رکھے۔ اچھا یہ ساری باتیں ایک طرف' شاہ اودھ [واجد علی شاہ] کی بیماری کی خبر اس قدر گرم ہے کہ مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا خاص طور پر جبکہ تم نے بھی لکھا ہے کہ بادشاہ بیمار ہے۔ان حالات میں جب ہر طرف سے یہ سنوں کہ بیمار ہے یہ اضطراب کیوں نہ ہو۔ ان سب باتوں کے باوجود اس سارے دکھ اور اضطراب کی وجہ تمہارے خط کے نہ آنے کے سبب ہے کہ جس نے مجھ کو پیچ و تاب میں ڈال رکھا ہے۔اول تمہاری طرف سے کہ کہیں بیمار نہ ہو گئے ہو اور اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے کہ خدا ناکردہ جس طرح مشہور ہے اس کی بیماری نے طول پکڑا ہو اور ان سب کے بعد کتاب کی طرف سے بھی یہ اندیشہ ہے کہ مبادا نہ پہنچی ہو۔

خدارا یہ کیا طریقہ ہے! میں نے تو تمہیں اجازت دے رکھی ہے کہ خط بیرنگ بھیج دیا کرو۔(پھر) ایک عدد کاغذ کے علاوہ تمہارا کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ [اودھ] بیمار ہے اور امور (حکومت) درہم و برہم اور تمہارا فرط محبت سے جی نہیں چاہتا کہ مجھے ناامیدی کی خبر تحریر کرو۔ ہے ہے تمہیں نہیں معلوم کہ بلاخوف بلا سے بہتر ہے۔اے میری جان میں غمزدہ تو محروم ازل ہوں اور میں ناامیدی کا خوگر ہو گیا ہوں۔ مقصد کے

فوت ہو جانے پر اتنا غمزدہ نہیں ہوتا کہ بات ہلاکت تک پہنچ جائے۔○ ہرگز ہرگز رو رعایت نہ کریں اور جو کچھ بھی کہ واقع ہوا ہو اچھا ہو تب اور برا ہو تب لکھیں اور جلد لکھیں بلکہ بہت جلد لکھیں۔ اپنا حال کتاب کا پہنچنا' بادشاہ کا حال اور حامد علی خان کا حال۔ تمہارے حال سے یہ مطلب ہے کہ جب تمہاری خیریت معلوم ہو جائے گی تو دل کشمکش سے آزاد ہو جائے گا اور دل کو سکون نصیب ہو گا۔ کتاب کا (حال) اس لئے چاہئے کہ اگر پہنچ گئی تو فبہا اور اگر نہیں تو ڈاک کے مہتمم سے کہ میرا جاننے والا ہے بازپرس شروع کروں۔ اور بادشاہ کا حال اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ معلوم ہو جائے کہ میری تقدیر میرے لئے کیا سوچ رہی ہے اور حامد علی خان کا حال صرف اطلاع کے لئے چاہئے کہ کسی چیز کا علم اس چیز کی لاعلمی سے بہتر ہے۔ والدعا منجانب اسد اللہ ارسال کردہ بروز اتوار چہارم فروری سنہ ۱۸۴۹ء جواب طلب۔

خط نمبر ۹

تمہارا خط پہنچا اور ○○ بادشاہ کی بیماری نے (اس) فقیر کا دل دکھا دیا۔ اے اللہ اس کو صحت کے عطیہ سے نواز اور اس کے ذریعے میری کارسازی کر۔ تم نے میر امام الدین کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا تسلیم کرتا ہوں ویسا ہی ہو گا لیکن رب کعبہ کی قسم کہ ان دو دفعہ میں کہ وہ میرے پاس آئے ہیں انہوں نے ہرگز تمہارے متعلق کوئی ناروا بات نہیں کہی (اور) یقیناً" یہ بات بھی تمہیں جاننی چاہئے کہ میں تمہاری برائی نہیں سن سکتا۔

تاریخ یمنی تو میں نے فوراً" جس قیمت پر بھی ملی خرید کر اور موم جامہ میں لپیٹ کر ادائیگی محصول کے بعد تمہیں بھیج دی ہے۔ خدا اس کو عملے کے سرکاری چونگی کے اہلکاروں کی دستبرد سے محفوظ رکھے۔ بے تکلف اس کو اپنی جانب سے راجہ امداد علی خان بہادر کی خدمت میں پیش کریں لیکن میرا نام نہ لیں۔ راجہ بھلا مجھے کیا جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔ ○○○ فضول میری طرف سے اس پر بار احسان کیوں رکھیں۔ اس کو اپنا ممنون بنائیں کہ تمہاری ناموری میری ناموری ہے اور بس۔

○ "زنہار محابا مکنند" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "ہرگز ہرگز تامل نہ کریں۔"

○○ "رنجوری شاہ دل گدارا بدرد آورد" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "بادشاہ کی بیماری (کی خبر) نے اس گدائے (گوشہ نشین) کے دل کو بیتاب کر دیا۔"

○○○ "بیہودہ از من بدوی سپاس چہ انند" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "خواہ مخواہ میرا بار احسان ان پر کیوں ڈالیں۔"

بادشاہ کی بیماری کا سن کر قصیدے کے لئے وہ ذوق و شوق ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب دیکھو آئندہ کیا پیش آتا ہے اور بالا خر ہوتا کیا ہے۔ میری بدبختی کو سعی و کوشش سے اچھا نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنی بدقسمتی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں اور تقریبا ترپن سال سے شومیٔ قسمت کا تماشائی ہوں۔ خدا تمہاری عمر و دولت میں اضافہ فرمائے اور تمہاری کوششوں کے (مبارک) نتائج کو میری زندگی پر عائد فرمائے۔

پنج آہنگ لکھی جا رہی ہے۔ جب مکمل ہو جائے گی وہ بھی اسی طرح بھیج دی جائے گی۔ یہ بات واضح رہے کہ میں یہ تاریخ یمنی اور پنج آہنگ تمہیں دے رہا ہوں۔ میں راجہ اور منشی کو نہیں جانتا جس طرح جس کو چاہو اور مناسب سمجھو پیش کرو۔

کتاب کے پہنچنے کی اطلاع بادشاہ کے غسل صحت اور قصیدے کی بابت جلد تحریر کرو۔ اور یہ بھی لکھو کہ نواب [مظفرالدولہ] کی ان ساری نوازشات کے باوجود یہ کیونکر ہے کہ آج تک تمہارے لئے کوئی کام اور کوئی ملازمت متعین نہیں ہو سکی۔ ○ (اور تمہاری) عمر یونہی بے کاری میں گزر رہی ہے۔ خرچہ کہاں سے کرتے ہو اور روٹی کہاں سے کھاتے ہو اور آئندہ کس چیز کی توقع ہے۔

دوسرے حامد علی خان کا حال مفصل لکھنا اور علی محمد خان کے بیٹے شاہ سمن خان کا حال بھی معلوم کر کے لکھنا کہ لکھنؤ آیا ہوا ہے اور رضی الدولہ [مصاحب واجد علی شاہ] کے عزیزوں میں سے ہے۔ والدعا منجانب اسد اللہ محررہ اتوار ۲۰ صفر ۱۲۶۵ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ء۔ کل کہ پیر کا دن ۲۱ صفر اور جنوری کی بائیسویں تاریخ ہے سپرد ڈاک کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

خط نمبر ۱۰

آقائے من نامہ دلنواز پہنچا۔ ○○ مفید نصیحتیں ذہن نشین ہوئیں۔ نواب مظفر الدولہ بہادر شاہ [ناصرالملک میرزا سیف الدین حیدر خان سیف جنگ بہادر] کے نام

○ "عمر بہ بیکاری می گذرد" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "تمہارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

○○ "اندرزہای سود مند دلنشین شد" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "مفید مشورے دل نشین ہوئے۔"

نامی کا خط پہنچ رہا ہے اور [ان کے چھوٹے بھائی] معین الدولہ یعنی حسین میرزا کا خط بھی کہ جو میرے نام ہے اس کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ مظفرالدولہ کے گھر کا پتہ اس رقعہ سے (لے کر) ذہن نشین کر لیں اور (اس جگہ کو) تلاش کریں اور جب مل جائے تو رقعہ دے کر کتاب ان سے لے لیں اور شیخ [قطب الدین] صاحب کو پہنچا دیں اور جب کبھی بھی کہ شیخ صاحب کتاب واپس کریں تو اس کو بذریعہ ڈاک مجھے روانہ کر دیں۔

نواب [مظفرالدولہ] کا گرامی نامہ دل اندوہگیں کے لئے مسرت فزا ثابت ہوا۔ ابتدا اچھی ہے۔ خدایا انجام بھی اچھا ہو۔ قصیدہ کہنے کا ارادہ ہے اور کہنا شروع (بھی) کر دیا ہے۔ تین دن سے بخار کی آگ میں جل رہا ہوں اور اس پریشانی نے فکر سخن سے روک رکھا ہے۔ بہرصورت اس ماہ [محرم ۱۲۶۵ھ] کے آخر تک یا صفر کے شروع میں مذہب و مطلا کاغذ پر قصیدہ آپکی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ قطعہ کہنے کا بھی ارادہ ہے اگر خدا نے چاہا تو قصیدہ کی تکمیل کے بعد اسکی بھی فکر کروں گا خاطر جمع رکھیں۔

ناظر جی [معین الدولہ حسین مرزا] کے نام کا خط انہیں بھیج دیا گیا۔ اس ہی روز وہ خود آئے اور نواب [مظفرالدولہ] کا خط مجھ سے طلب کیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ نواب نے مجھے خط بھیجا ہے۔ بتایا میکش کی تحریر سے۔ بارے وہ خط میں نے ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے پڑھا اور مجھے واپس دے دیا۔ (وہ خط) اس وقت میرے قلم دان کی زینت ہے۔

ظاہر ہوا کہ شاہ جی [قطب شاہ] کم ہی التفات فرماتے ہیں۔ بارے درویشوں کی دعا ہی کافی ہے۔ اپنا کام خداداد عقل کے زور سے سرانجام دیں اور خدا سے (خیر کی) امید رکھیں۔

ہرچند کہ رسم عزاداری صفر کی بیسویں تک عام طور پر ہوتی ہے ○ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس ہی مدت میں ڈور کا سرا ہاتھ آجائے ورنہ اگر زندگی باقی ہے تو بیسویں صفر بھی دور نہیں ہے۔ مجھے حسرت اس کی رہی کہ آیا ممدوح لطف کلام تک بھی پہنچا (یا نہیں) اور یہ

○ "ہم دریں مدت سر رشتہ بچنگ آید" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اسطرح ہے "ممکن ہے ان ہی دنوں میں کام برانجام پا جائے۔"

کہ قطعے کو کہ جس میں مدح کے علاوہ ایک حصہ گزارش مدعا کا بھی تھا کن الفاظ میں سراہا۔ افسوس کہ دنیا میں کوئی سخن فہم نہیں۔(اب) پشیمان ہوں کہ نوروز علی خان کو میں نے خط لکھا (ہی) کیوں جبکہ مجھے معلوم تھا کہ کیا جواب ملے گا۔ لیکن تمہاری پاس خاطر کو لکھا۔

(کذا) خدا گر بہ حکمت ببندد دری
کشاید بہ نجائش خود دری ○

ترجمہ۔ خدا اگر اپنی حکمت سے ایک دروازہ بند کر دیتا ہے(تو) اپنی رحمت یا فضل و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔

اب دیکھیں خدا کی کیا مرضی ہے۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے اور خدا تمہیں بلند مرتبے پر پہنچائے گا۔ والدعا منجانب اسد اللہ محررہ ہفتہ ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۶۵ھ

خط نمبر ۱۱

با آنکہ ہیچ مطلب ممکن روانہ شد دل خوش نہ می کنیم مگر از محال ہا

ترجمہ۔ باوجود اس کے کہ کوئی ممکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ ہم ناممکن (مقاصد) کے علاوہ اور کسی چیز سے اپنا دل خوش نہیں کرتے۔

جس دن سے کہ تم نے لکھنؤ میں قیام اختیار کیا ہے اور تمہاری تحریروں سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ تمہیں قطب الدولہ کے ساتھ جو شاہ (واجد علی شاہ) کے خاص مصاحبوں میں سے ہے قربت و انسیت حاصل ہو گئی ہے' دل میں سوچتا تھا اور کہتا تھا۔ع۔ باشد کہ ہمیں بیضہ بر آرد پروبال ترجمہ۔ ممکن ہے یہی انڈا پروبال نکالے

○ طبع ثانی میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے لیکن درست شعر یہ ہے۔
خدا گر بحکمت ببندد دری کشاید بہ فضل و کرم دیگری
ایضاً برحمت کشاید در دیگری
ترجمہ درست شعر کا کیا گیا ہے۔ کلیات سعدی از محمد علی فروغی ۱۳۶۵ھ شمسی۔ تہران

قصہ کوتاہ طرح طرح کی خواہشات (دل میں) رکھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میر احمد حسین کہ جو میرے لئے میرے بیٹے کی حیثیت رکھتا ہے اور خوش بختی کی پیشانی رکھتا ہے عجب نہیں کہ قطب الدولہ کو اس پر آمادہ کرلے کہ وہ شاہ اودھ [واجد علی شاہ] سے میرا ذکر کرے اور دربار شاہی سے میرے نام فرمان طلب بھیجا جائے تاکہ میں لکھنؤ پہنچوں اور بادشاہ سے ملوں (اور) میری ناکامیوں کا دور ختم ہو۔ مگر واہ ری میری تقدیر کہ وہ ہنگامہ خیال درہم برہم ہوگیا اور وہ ساری امیدواری مایوسی میں تبدیل ہو گئی اور (بھلا) ایسا کیوں نہ ہو کہ صاحب اقبال میر مہدی [مجروح] نے اپنے نام کا خط جو تم نے (انہیں) لکھا تھا مجھے دکھادیا۔ یا اللہ جب سے میں نے وہ خط دیکھا ہے ازخود رفتہ ہوں اور اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا ہوں۔ آخر یہ کیا ہو گا اگر تمہیں لکھنؤ سے ناکام جانا پڑے۔ خدا کے واسطے اس دکھے دل کی جس کا صبرو قرار غارت ہو چکا ہے چارہ گری کر (اور) تجھے خداوند قادر اور ائمہ مطہر علیہم السلام کی ارواح کی قسم اپنا حال ٹھیک ٹھیک مجھے لکھ۔ میر مہدی کے خط میں (تو نے) جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سراسر میرے ذہن کے خیال اور میرے تصور کے خلاف ہے اور حیرت ہے کہ یہ حالات تو نے مجھے کبھی نہیں لکھے۔ اب بھی تجھے اس جان کی قسم جو تو مجھے ایک اور خط نہ لکھے اور (جب تک) سارے حالات مجھے نہ معلوم ہوں کہ (دراصل معاملہ) کیا ہے میرے دل کو سکون نہ ہو گا۔ خدا کے واسطے جلدی کر اور مجھے خط ارسال کر اور اس میں ہر ہر بات موبمو تحریر کر۔ ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ترجمہ۔ افسوس ان اکثر آرزوؤں پر کہ مٹی میں مل گئیں۔

غم و اندوہ کے اظہار اور احوال کی تفصیل کی طلب کے علاوہ اور کیا لکھوں۔

اسد اللہ جس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

خط نمبر ۱۲

اے جان اے سعادتمند' تحریر خط کے لئے الفاظ و معانی ابھی دیدہ و دل ہی میں

تھے کہ (تمہارا) دوسرا خط آپہنچا۔ اس سے پیشتر جو خط بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ جب تک میرا دوسرا خط نہ آجائے جواب نہ لکھا جائے۔ سو اب کہ جواب دینے کی اجازت آگئی ہے لکھ رہا ہوں۔

واضح رہے کہ حرون عربی کا لفظ ہے اور اس کا املا حائے حطی سے ہے۔ اگر قصیدے میں ہائے ہوز سے لکھا گیا ہے تو تقصیر کاتب کی طرف سے ہے نہ کہ میری طرف سے۔ اس لفظ کی بہرصورت اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ لفظ لعب عین کے زیر کے ساتھ بھی جائز ہے اور عین کے سکون کے ساتھ بھی جائز ہے کذا فی الصراح۔

مشفقی قطب الدولہ بہادر کی دیوار کے سایہ میں تمہارا آرام کرنا تمہیں بھی مبارک ہو اور مجھے بھی۔ ہرگز اس جوانمرد صاحب دل سے دوری اختیار نہ کریں وہ شخص کہ جو اس قدر غم خواری کرتا ہے ○ تم کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

میر مہدی [مجروح] کا خط میر مہدی کو اور میر امام الدین کا خط میر امام الدین کو پہنچا دیا گیا۔ میں خود بھی کہ آج یہ خط لکھ رہا ہوں اس کو سنبھالے لیتا ہوں کہ اگر ان دونوں کے خط آگئے تو اس خط کے ساتھ ہی منسلک کر کے بھیج دوں گا ورنہ کل صرف یہی ایک خط ڈاک میں ارسال کرنا ہو گا۔

شاہ اودھ [واجد علی شاہ] کے بارے میں ناخوشگوار خبریں سننے میں آرہی تھیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ رکھے کہ میرے دل کو قرار دیا۔ تم نے انتہائے بیماری کے رفع ہونے اور غسل صحت کے ارادے کا بروز جمعرات لکھا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن وہ (بات) نہیں لکھی جس سے دل کو تقویت ملے اور امید بندھے۔ جشن غسل صحت قصیدہ نذر گزرانے کے لئے پاکیزہ تقریب ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ خط جو میں تمہیں آج لکھ رہا ہوں اور کل سپرد ڈاک ہو گا ابھی تمہیں نہ ملا ہو کہ میرا قصیدہ بادشاہ تک اور بادشاہ کا عطیہ مجھ تک پہنچ جائے۔ بھلا ہو اس کا جس نے کہا ہے۔

○ "شمارا ضائع نخواہد گذاشت" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ ہے "وہ تم کو ناکامی کے حوالے نہیں کرے گا۔"

جہاں بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزوہائے ثنائی خندہ می آید

ترجمہ- دنیا بے مہر (ہے) زمین دشمن (ہے) اور محبوب (لاپروا)- مجھے ثنائی کی آرزووں پر ہنسی آتی ہے-

میں چاہتا تھا کہ ایک خط قطب الدولہ کو لکھوں اور تمہیں بھیج دوں اور تم اس کو نواب صاحب کو دے دو اور اس پر بات چیت کی بنیاد رکھو لیکن (پھر) سوچا کہ یہ فضول ہے تم خود کام کے وقت پر نظر رکھتے ہو اور غافل نہیں ہو اور نواب صاحب بھی عطا و مرحمت میں دریغ نہیں کرتے-

کارساز ما بفکر کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

ترجمہ- ہمارا کارساز (خود) ہمارے کام کی فکر میں ہے- (چنانچہ) ہماری (اپنی) فکر اپنے کام مین ہمارے لئے آزار ہے-

بارے اگر مناسب سمجھیں تو میرا سلام نواب صاحب کو پہونچا دیں بلکہ اگر ممکن ہو اور موقع ملے تو اس خط کو ان کے ملاحظے میں لے آئیں-

تم نے اپنے بارے میں مشفقی محمد یحییٰ علی خان کی محبت اور شفقت کا جو کچھ لکھا ہے (اس کے سبب) اس نیک خصلت کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے- وہ شخص کہ تمہیں میری طرح عزیز رکھتا ہے میں اس کو عزیز کیوں نہ رکھوں- وہ شفقت کہ جو وہ تم پر کرتے ہیں (دراصل) احسان ہے جو مجھ پر کرتے ہیں- تمہاری تحریر ہی سے معلوم ہوا کہ یحییٰ تخلص کرتے ہیں اور شعر کہتے ہیں- میرا سلام ان کو اور ان کا کلام مجھے پہنچانا چاہئے- منجانب اسد اللہ محررہ بروز منگل ۱۰ ربیع الاول ۶ مارچ جواب طلب-

چونکہ کل شام تک بلکہ آج بدھ کے دن صبح تک کوئی خط کسی کا نہیں آیا اس خط کو روانہ کر رہا ہوں اور تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں اب غم روزگار سے تنگ آچکا ہوں- ہرگز (اس کام میں) تامل نہ کریں اور قطب الدولہ کو اس پر آمادہ کریں کہ جشن

صحت کی بزم ہی میں میری اصلاح احوال کا کام بھی سرانجام دیں اور تمہیں خود ہی چاہئے کہ اس خط کا جواب جلد لکھو۔ بدھ گیارھویں ربیع الثانی ساتویں مارچ روانہ کیا گیا۔

خط نمبر ۱۳

اے میرے سعادت مند (میری بات) سنو اور اس خط کے مضامین کو اپنے ذہن نشین کر لو۔ بلکہ اس خط کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھو تاکہ اگر کوئی بات یاد نہ رہے تو اس تحریر کو دیکھ کر یاد آجائے۔ پہلی بات تو یہ کہ تمہارا خط پہنچ گیا تھا (اور) وہ رقعہ کہ جو ناظر صاحب [حسین مرزا] کے نام تھا وہ ناظر صاحب کو بھجوا دیا گیا۔ مولوی اکرام الدین [صدر امین دہلی] کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے ساتھ حسرتوں کی ایک دنیا لے گئے۔ یہاں تک جو کچھ لکھا وہ محض اطلاع کے لئے تھا ورنہ یہ خبریں کام کی نہیں۔ اب کان دھر کے میری بات سنو کہ فائدہ مند باتیں کہہ رہا ہوں۔

جان من قصیدہ پہنچ رہا ہے خود پڑھ لیں اور نواب صاحب کو پہنچا دیں اور اس امر کی کوشش کریں کہ بادشاہ [واجد علی شاہ] کی نظر سے گزرے اور صلہ حاصل ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری حسن تدبیر اور نواب صاحب کی عنایت سے بادشاہ تک پہنچ جائے گا پھر کیا ہو گا؟ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عطائے صلہ کا حکم صادر ہو گا تو وہ لازمی وزیر [امین الدولہ] کے نام صادر ہو گا اور بغیر وزیر (کی مدد) کے کام آگے نہیں بڑھے گا۔ اس صورت میں مجھے فکر ہے کہ کام گڑبڑ ہو جائے گا۔ (چنانچہ) اس امر کی تلافی اس طرح کی جائے کہ اس اندیشے کو نواب صاحب پر ظاہر کر دیا جائے اور میری جانب سے یہ کہا جائے کہ فلاں شخص (یعنی غالب) یہ کہتا ہے کہ میں تو ایک دروازے کا گدا ہوں اور سوائے قطب الدولہ کے کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ لازمی قطب الدولہ کو یہ چاہئے کہ وہ مجھے کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنائیں اور قصیدے کو خود پیش کریں اور صلہ بھی خود ہی وصول کریں اور خود ہی مجھے پہنچا (بھی) دیں۔ جب یہ کام بن جائے اور وزیر کی ضرورت نہ

پڑے اور محض نواب قطب الدولہ کی مہربانی سے جس طرح میں نے کہا مدعا بر آئے۔اب چونکہ مدعا تو رقم کا حصول ہے (اس بابت) خود سوچیں کہ یہ رقم لکھنؤ سے مجھے کس طرح بھیجیں گے۔ اغلباً" ہنڈوی کے ذریعے ہی بھیجیں گے۔اب شہر[لکھنؤ]اجنبی شہر کے لوگ دھوکے باز اور تمہاری شہر کے ساہوکاروں سے کوئی واقفیت نہیں کہیں ایسا نہ ہو کوئی مشکل درپیش ہو۔ لامحالہ اس درد کی یہ دوا ہے کہ جب عطائے رقم کا حکم حاصل ہو جائے تو نواب صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ میں تو مسافر ہوں ہنڈوی بھنانے کا طریقہ نہیں جانتا۔ جناب عالی کسی قابل اعتماد ساہوکار اور متوسل کو اپنے پاس بلا کر رقم اس کو دے دیں اور ہنڈوی اس سے لکھوا کر اپنے خط میں لپیٹ کر مجھے عنایت کریں تاکہ میں اس خط کو اسد اللہ خان کو بھیج دوں۔ لیکن اس جگہ اک بات رہتی ہے یعنی وہ رقم جو مجھے تمہیں دینی ہے تمہیں کس طرح دوں اور اس بات کو میں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں۔میں یہ چاہتا ہوں کہ پانچ ہزار میں سے پانچ سو تمہیں دے دوں۔اگر تمہاری مرضی ہو تو وہیں لے لو اور اگر تمہاری مرضی نہ ہو کہ یہ بات قطب الدولہ پر ظاہر ہو تو لکھو کہ ساری رقم یہاں آجانے کے بعد اس میں سے پانچ صد روپے یہاں سے تمہیں بھیج دوں۔ پہلی صورت میں ایک مہرزدہ خط علیحدہ تمہیں بھیج دوں اور تم وہ اپنے نام کا خط نواب صاحب کو دکھا کر پانچ سو روپے اپنے پاس رکھ لو اور باقی ساڑھے چار ہزار روپے کی رقم کی ہنڈوی نواب صاحب سے لے کر میری تحریر کے مطابق مجھے بھیج دو۔ اور یہ بھی تم ہی سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری صلاح یہ ہو تو میں خط میں یہ نہ لکھوں کہ پانچ سو روپے تمہیں دے بلکہ یہ لکھوں کہ پانچ صد روپے کی فلاں فلاں جنس خرید کر بعد میں بھیجو گے۔(گویا یہ پانچ سو روپے اس کے پیشگی ہوئے)۔اس سوال کا جواب جلد ہی لکھنا چاہئے اور بس۔ لیکن دوسرا وسوسہ سب سے زیادہ جان سوز ہے یعنی میں شہر میں قرضدار ہوں اور (اسی شہر میں میرے) ڈگری دار (بھی) ہیں۔اگر انہیں خبر ہو گئی تو ڈگریاں پیش کر کے مجھ سے عدالت کے حکم کے زور پر یہ رقم چھین کر لے جائیں گے اور میری اور تمہاری

کوشش ضائع ہو جائے گی۔(چنانچہ) اس زخم کے لئے دو مرہم چاہیں۔ ایک تو یہ کہ ہنڈوی میرے نام نہ ہو صرف شاہ جوگ ہو (جو کوئی بھی لے سکتا ہے) دوسرے یہ کہ ان سعادتمند (یعنی آپ) نے جس طرح (پہلے) قطب الدولہ کے خط بھیجنے کی اطلاع اپنے دوستوں کو دے دی تھی اس خبر کے بارے میں کسی کو نہ لکھیں اور اس طرح کریں کہ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو خبر نہ ہو کہ کیا ہوا اور کام کس منزل تک پہنچا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

جہاں بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو ہائے ثنائی خندہ می آید

ترجمہ۔ دنیا بے مہر (ہے) زمین دشمن (ہے) اور محبوب بے پروا (ہے)۔مجھے ثنائی کی آرزوؤں پر ہنسی آتی ہے۔

جان من کل پیر کا دن ۲۲ ○ دسمبر اور عیسائیوں کی عید کا دن تھا۔ اس خط کو لکھے گئے شعر تک تحریر کر کے صندوقچہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ آج کہ منگل کا دن ۲۳ دسمبر ہے اور ان تختوں پر کہ جو دیوار کے نیچے بچھے ہیں دھوپ میں بیٹھا تھا کہ اچانک وہ بچہ جو کبھی کبھی تمہارے ہمراہ میرے پاس آتا تھا دروازے سے میرے پاس آپہنچا اور کہنے لگا میرا والد دروازے پر کھڑا ہے اور آنے کی اجازت مانگتا ہے۔ میں نے کہا روکنے والا کون ہے تشریف لائیں۔ گیا اور اپنے ساتھ لے کر آیا۔ جب (یہ لوگ) بیٹھے میں نے پوچھا اسم شریف؟ کہنے لگے میر امام الدین۔میں نے پوچھا کیسے قدم رنجہ فرمایا۔ کہا کہ میر احمد حسین کی خیر خبر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔میں نے کہا کہ میر احمد حسین یہاں سے رامپور اور وہاں سے بریلی چلے گئے اور وہاں بیمار پڑ گئے۔اس کے علاوہ مجھے علم نہیں کہ کیا ہوا اور کہاں گئے اور اس وقت کہاں ہیں بلکہ مجھے تو ان کی موت اور حیات کی بھی خبر

○ عیسائیوں کی عید ۲۵ دسمبر کو ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کاتب سے یا مرتب سے کوئی اشتباہ ہوا ہے۔

نہیں۔انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ لکھنؤ پہنچ کر انہوں نے شادی کر لی اور شادی بھی ایک مالدار عورت سے کہ جس کو ڈھائی سو روپے ماہانہ سرکار اودھ سے ملتا ہے۔ میں نے کہا واللہ باللہ تاللہ مجھے اس واقعہ کی کوئی خبر نہیں اور میری قسم سچی تھی کہ یہ بکواس میں نے نہیں سنی تھی۔ بارے اس سادہ آدمی کو فریب دینے کے لئے میں نے کہا کہ اگر احمد حسین لکھنؤ پہنچے ہوتے تو کس طرح ممکن تھا کہ مجھے خط نہ لکھتے۔چہ جائیکہ شادی کی اور شکار بھی موٹا پھانسا اور مجھے اطلاع تک نہ دی۔وہ بیچارہ تذبذب میں ہی رہ گیا سمجھ نہ سکا کہ حقیقت کیا ہے۔اس کے بعد میں نے پوچھا کہ ظفری بیگم خوش ہے۔کہا خوش ہے لیکن کھڑی نہیں ہو سکتی نہ اپنے پاؤں چل سکتی ہے اور کہتی ہے کہ میرا باپ راست گو ہے اور باقی تم سب جھوٹے ہو۔ میرے دل میں محبت نے جوش مارا ایک ڈبیہ انگوروں کی' چار رنگترے اور ایک ولایتی انار میں نے اس بچے کو دیئے اور کہا کہ یہ ظفری بیگم کو دینا اور اپنی بہن کو میری دعا پہنچانا۔ (یہ ساری چیزیں) لے لیں اور چل دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا باپ بھی چلا گیا۔ ادھر میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا ہے کہ اگر میری دسترس میں ہوا تو ایک سکہ ظفری بیگم اور اس کی ماں کو بھیجوں گا اور کہوں گا کہ جب تک تیرے شوہر کی اطلاع نہیں ملتی اس رقم سے گزارا کر۔

خط اختتام کو پہنچا اور جنون دل اسی طرح جوش میں ہے۔ مجبوراً" لکھے ہوئے کو دوبارہ لکھتا ہوں کہ میرے سارے اندیشے درست ہیں اور ان میں ایک وسوسہ بھی بے بنیاد نہیں۔ بارے قصیدے کے پہنچنے کے بعد دل جمعی کے ساتھ غور کرو اور کام کے اطراف و جوانب کو دیکھو اور پھر فیصلہ کرو کہ کیا کرنا ہے۔ جو مضمون بھی کہ منظور ہو مجھے لکھ بھیجو تاکہ اس مضمون کا خط تمہارے نام بلکہ اگر ضرورت ہو تو قطب الدولہ کے نام لکھ کر تمہیں بھیج دوں اور قصیدے کے پہنچنے کے بعد کے احوال بھی لکھو کہ جب نواب صاحب نے قصیدہ دیکھا تو کیا کہا اور جب بادشاہ [واجد علی شاہ] کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے کیا کہا۔ غرضیکہ یہ سب احوال تحریر کرنے چاہئیں اور پھر یہ حالات لکھنے کے بعد

صلہ کے ضمن میں جو بھی تمہارا مشورہ ہو مجھے لکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس ہی مضمون کا خط لکھ کر تمہارے نام یا نوابصاحب کے نام لکھ کر بھیج دوں اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دہلی میں کسی شخص پر (یہ امر) ظاہر نہ ہونے پائے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہو گا کہ قصیدے کے ملتے ہی ایک خط قصیدے کی موصولی کا روانہ کر دیں تاکہ دل کو سکون ہو اور اس کے بعد اس کا شاہ کے سامنے پیش کیا جانا اور بادشاہ کے حکم کے صادر ہونے کی حقیقت اور یہ کہ (اب) مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آیا خط تمہارے نام لکھا جائے یا نواب صاحب کے نام لکھا جائے اور کس مضمون کے ساتھ لکھا جائے یہ سب کچھ لکھ کر ارسال کرنا چاہیئے اور ہر بات کو جو میں نے لکھی ہے اچھی طرح سمجھ کر اور جان کر اور دقت فکر سے کام لے کر ایسا جواب کہ جو سو فیصد درست و عین صواب ہو مجھے لکھنا چاہیئے۔ کام کی ابتدا بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے ہوئی ہے اور حقیقت میں تم نے یہ ایک بڑی مہم سر کی ہے۔ اگر تمہاری جگہ مثال کے طور پر روح الامین بھی اس کام پر مامور ہوتا تو اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیئے تاکہ انجام بھی اس ہی خوبی اور خوش اسلوبی سے ہو جیسے کہ آغاز ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخر میں پاؤں لڑکھڑا جائیں یا کسی قسم کی غفلت واقع ہو اور بنا بنایا کام درہم برہم ہو جائے۔ خدا کی قسم میری آخری عمر ہے اور میں سخت عاجز اور پریشان ہوں۔ اس معاملے میں تھوڑی امید بندھی ہے اور تمہاری ڈھارس پر جی رہا ہوں۔ اولاد نے بوڑھے باپ کی کافی خدمت کی ہے اگر تمہاری حسن مساعی سے یہ کام سرانجام پا جائے اور شاہ اودھ کی جانب سے مجھے صلہ مل جائے اس طرح کہ سوائے میرے اور تمہارے کسی کو خبر نہ ہو تو میری جسقدر عمر بھی کہ باقی ہے تمہارے احسان کے سایے تلے گزرے گی۔ اس وقت اس قرض سے کہ جس کا بوجھ میرے لئے ہوش فرسا ہے سخت بیزار ہوں۔ جب یہ بھاری بوجھ کاندھوں سے گر جائے گا تو اس انگریزی پنشن پر کہ مجھے ملتی ہے قناعت کروں گا۔ نان خشک پر قناعت کر کے زندگی مستعار (کے باقی لمحے) گزاروں گا اور آیندہ قرض نہیں لوں گا۔ بلکہ اگر توفیق (الٰہی) شامل حال رہی اور زادراہ

میں سے کچھ بچ گیا تو کعبے اور مدینے اور نجف کا عزم کروں گا۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بریں آرزو مرا برساں

ترجمہ۔اے خدا میری یہ آرزو کس قدر پیاری ہے۔تو میری یہ آرزو پوری کردے

☆..☆..☆

نامہ بنام نامی شاہ صاحب

خط نمبرا

؎ عجب کہ تشنہ بمانم سفال ریحانم اگرچہ نیک نیم خاک پاک نیکانم

ترجمہ۔ (اگرچہ) میں خود نیک نہیں ہوں (لیکن) نیکوں کی خاک پا(ضرور)ہوں۔(اس لئے) میرا تشنہ رہ جانا تعجب انگیز بات ہے۔(چونکہ) میں تو نیازبو کا گملا ہوں۔

جناب شاہ صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہاں کی جناب میں رجوع کر کے حاجت ○ مندی کے عالم میں زمیں پر جبہ سائی کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ ہائے وہ زمانہ جواپنی تمام تر برکتوں کے باوجود مجھے خوشحال نہ کر سکا۔ بے شک یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب عالی چند دن نہیں بلکہ چند ماہ اس شہر کے قلعہ میں قیام پذیر رہے لیکن میں بدبخت قدم بوسی کے لئے نہ پہنچ سکا۔ اس محرومی کے ضمن میں جس قدر قلق بھی کیا جائے حق بجانب ہو گا۔لیکن پردۂ افرینش پر جب غورو فکر کرتا ہوں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اعیان ثابتہ کے عالم میں جو فیضان قدس کے نازل ہونے کی جگہ ہے اس خاکسار کا وجود اور اس منتخب سروران روزگار کی ذات ایک (ہی) اسم کی پرورش کردہ ہے۔ہرچند کہ میں (جناب عالی کا) صورت شناس نہیں لیکن معنوی اعتبار سے ہمارے درمیان کوئی مغائرت نہیں۔ امید کرتاہوں کہ مہربانی سے دریغ نہیں فرمائیں گے اور میرا حال اس عرضداشت سے مجملاً" اور صاحبِ اقبال و سعادت میر احمد حسین طول عمرہٗ کے بیان سے بالتفصیل معلوم کر کے اس فقیر کے دلِ زخمی کے دکھوں کا علاج کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ فردوس منزل نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ کی تخت نشینی کے دور سے میں صلۂ مدح کے ضمن میں اس خوان عطا کا ریزہ چین رہا ہوں۔میرا (ایک) قصیدہ روشن الدولہ بہادر کی وساطت سے بادشاہ کی حضور میں پیش ہوااور پانچ ہزار روپے مرحمت ہوئے۔(لیکن) محمد علی شاہ کے دور فرماں روائی میں مجھے کوئی وسیلہ میسر

○ "مستمندانہ ناصیہ برزمیں می سایم" طبع ثانی میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے "بہ عجز و نیاز جبیں سائی کر کے عرض کرتا ہوں"

نہیں آیا اور حضرت امجد علی شاہ کے عہد حکومت میں ناسازگاری وقت کے سبب جو کچھ مجھ پر گزرا میراحمد حسین اس سے واقف ہیں آپ کی خدمت میں عرض کر دیں گے۔ فی الوقت میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر نواب صاحب والا صفات رفیع الشان قطب الدولہ نواب قطب علی خان بہادر دام اقبالہ میری سرپرستی فرمائیں (تو) میں قصیدہ برخوردار میر احمد حسین کو بھیج دوں تاکہ وہ سعادت مند اس کو پہلے تو آپ کی نظر کیمیااثر سے گزرانے اور اس کے بعد خدمت عالیہ جناب نواب صاحب میں پہنچا دیں۔ اور (پھر) نواب صاحب پسندیدہ طریقے سے اس بادشاہ کے سامنے کہ دارا جیسے اس کے دربان ہیں، پیش کر دیں اور میری مدح گوئی اور سخن وری کا احوال اور فردوس منزل [نصیرالدین حیدر] کی نوازش و بخشش (کی کیفیت) سپہربارگاہ بادشاہ کے حضور میں پہنچا دیں۔ اگر قسمت یاوری نہ کرے اور صلہ بادشاہ کے مرتبے اور استعداد (عالی) کے مطابق نہ بھی ہو تو اسی قدر بخشش پر کہ فردوس منزل کے عہد سے معمول ہے قناعت کر لوں گا۔

فی الوقت شاہ کی مدح کا قصیدہ اور نواب صاحب قطب الدولہ بہادر کی بلند حوصلہ توصیف کا قطعہ بھیجنے میں میری طرف سے کوئی تامل نہیں ہے۔ جیسے ہی کہ جناب عالی اس عرضداشت کا جواب (دیں گے) اور اس فقیر کی درخواست کی قبولیت سے سید صاحب کو آگاہ کریں گے وہ الفت نامہ مجھے پہنچ جائے گا اور فوراً قصیدہ اور قطعہ میر احمد حسین پسندیدہ خصلت کی وساطت سے (آپ کی) خدمت عالی میں پہنچ جائے گا۔ اسد اللہ کی عرضداشت محررہ بروز پیر نویں ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ [مطابق ۶ نومبر ۱۸۴۸ء]

☆..☆..☆

خط بنام قطب الدولہ بہادر

خط نمبر۲

(فدوی) جناب نواب صاحب جمیل الصفات وعمیم الاحسان مخلصوں کی امیدگاہ' خدا ان کی بقاکو دوام بخشے اور ان کی بلندیوں کو زیادہ کرے' کی خدمت مبارکہ میں اسلام کے مسنون طریقہ سلام کی پیش کش اور ملاقات وافرالمسرت کی تمنا کے بعد گزارش مدعا کی طرف راغب ہوتا ہے۔ایک طویل مدت گزری کہ (ایک) قصیدہ اور(ایک)عرض داشت جناب کی خدمت عالی میں رواں کی تھی اور ہزاروں آرزوؤں کے ساتھ یہ استدعا کی تھی کہ اس نظم اور نثر کو قدرقدرت ظل الٰہی خلد للہ ملکہ' و سلطانہ' کی خدمت میں گزرانیں۔بیشک ارادہ یہ تھا کہ اگر عطیہ شاہی (کے حصول کی) کامیابی میسر ہو تو عتبات عالیہ کی طرف رخ کرے۔لیکن راقم نامہ کی ناسازی قسمت پر افسوس ہوتاہے کہ اس بہار کا کوئی رنگ تاحال دکھائی نہ دیا۔ جناب شاہنشاہ کا دست کرم اس ابر کی طرح ہے کہ کانٹوں اور پھولوں پر ایک سا برستا ہے۔ جہاں بے طلب لعل و گہر کی کانیں کی کانیں بخشتے ہوں (وہاں) سوال کرنے پر سائل کی محرومی کے کیا معنی ہیں!

بات دراصل یہ ہے کہ آنجناب والا صفات نے اس زخمی دل درویش کی طرف توجہ نہیں دی اور قصیدہ و عرضداشت کو سلطان عالم کی نگاہ التفات سے روشناس نہیں کرایا۔ وقت گزر رہا ہے قافلہ روانہ ہو رہا ہے فقیر کے ساتھی سفر کے لئے کربستہ اور روانگی کے لئے عجلت میں ہیں اور میں اسی طرح تہی دستی اور بے نوائی کی بنا پر پابہ گل (ہوں)۔خدارا اس گوشہ نشین غمزدہ پر رحم فرمائیں اور قصیدہ اور عرضداشت کو جناب فیض گنجور کی خدمت میں پیش کر دیں اور جس **عطیے** کا بھی حکم ہو بغیر اسکے کہ اس میں تاخیر ہو مجھ فقیر امیدوار کو ارسال فرمائیں۔ اس سے زیادہ بجز حضرت ظل

سجانی کے دوام دولت کے کہ ہر ہر سانس میں وردزبان ہے اور کیا عرض کرے۔نامہ نگار ہوا خواہ اسد اللہ محررہ بروز ہفتہ اٹھارویں ذی قعد۱۲۶۵ھ بمطابق چھٹی اکتوبر ۱۸۴۹ء

خط نمبر ۳

نواب صاحب [قطب الدولہ بہادر] جمیل الصفات' رفیع الشان' آرزو مندوں کی امید گاہ' کہ خدا ان کی بقا کو ہمیشہ قائم رکھے اور ان کی بلندی میں اضافہ کرے' خدمت وافرالمسرت میں ہدیہ سلام کے تحفے (کی پیش کش) کے بعد کہ جناب خیرالانام کی سنت درخشندہ ہے پہلے تو شکراس لطف و کرم کا کہ جو برخوردار کامگار میراحمد حسین طول عمرہٗ و زادقدرہ' پر ارزانی ہے اور درحقیقت اس کا مورد میں اپنے آپ کو تصور کرتا ہوں ادا کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد چند سطریں کہ راقم نامہ کے احوال کی آئینہ دار ہوں لکھنے کا اقدام کرتا ہوں۔ضمیر منیر پر کہ خداداد عقل کی روشنی سے منور ہے واضح ہو کہ اس پسندیدہ خصلت سید زادے [میراحمد حسین میکش] کا مجھ احقر کے ساتھ تعلق روحانی ہے۔اس کے والد والا گہر میر کرار حسین سلمہ' اللہ تعالیٰ سادات بلند خاندان کے اعیان میں سے اورشاہ و شہریار کے جاننے والوں میں اور حاکمان انگلشیہ کی جانب سے اشرف الوکلا کے خطاب یافتہ ہیں۔ بیٹے کو بڑے ناز و نعمت سے پالا' علم و ادب کی تعلیم دی اور سرکار سے وکالت عدالت کا پروانہ دلوایا ہے۔لیکن اس بلند حوصلہ وبالا نظر کو وہ کام پسند نہ آیااوراس نے چاہاکہ وہ شاہ سپہربارگاہ اودھ کی' اللہ اس کے ملک اور اس کے بادشاہ کو ہمیشہ رکھے' بخشش کے دستر خوان کا ریزہ چین ہو۔چونکہ اپنا کوئی راز مجھ سے پوشیدہ نہ رکھتا تھا اور بغیر میری مرضی کے کوئی کام نہیں کرتا تھا' اپنے ارادے کا مجھ پر اظہار کیا۔ میں نے اس کی اولوالعزمی پر آفرین کہی اور خدا سے اس کی کامیابی کی دعاکی اور چونکہ میں خود حضرت فردوس منزل کے عہد

سے اس دولت سدابہار کا ثنا خواں اور ریزہ چیں رہا ہوں حق ثنا ادا کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا اور اس کو بھیج دیا۔چونکہ قسمت ساتھ تھی دولت مددگار تھی اور اقبال رہنما تھا' میراحمد حسین آرزومند پسندیدہ کے ہاتھ اس بلند مرتبہ (شخصیت) کا دامن آگیا۔قسمت نے مبارکبادی اور فلک دوار نے معافی طلب کی۔میرے دل کو کشمکش سے آسودگی ملی اور دل کا غم دور ہوا۔ ظاہر ہے کہ جس کا آغاز ایسا ہو اس کا انجام بجز خیروخوبی نہیں ہو گا۔

غرض یہ کہ دوگونہ آرزوئیں میرے دل کا طواف کر رہی ہیں اور مدح سرائی اور قصیدہ نگاری سے مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ابررحمت یعنی وہ بلند حوصلہ کہ دنیا اس کی بخشش کی پناہ میں ہے اور وہ ایک عالم کے لئے مرکز امید(ہے)عقل مندی اور حوصلہ سے کام لے کر سعادت مند میراحمد حسین کو بھی اس جہاں پناہ کے سامنے پیش کر دیں اور حقیقت حال کو موقع اور محل کے مطابق بیان کر کے دونوں آرزوؤں کو بر لائیں۔یعنی یہ فرخندہ خصلت' والاتبار سلطان فریدوں فر' دارا دربان کے غلاموں اور ملازموں کے سلسلے میں شامل ہو کر اپنی عمر کہ خدا اس کو دراز کرے' وہیں گزار دے اور اس تہی دست وبے نوا کے ہاتھ بھی اس قدر سرمایہ آجائے کہ زادسفر بنا کر دشت نجف کی طرف گرم سفرہو۔

چونکہ ہرزہ گوئی شیوۂ درویشی نہیں ہے اور اسکے علاوہ بزرگوں نے بھی کہا ہے۔ ع۔ کہ خواجہ خودروش بندہ پروری داند ترجمہ۔ کہ آقاخود شیوۂ بندی پروری جانتاہے۔

اس سے زیادہ زحمت نہیں دیتا اور خط کو دعا پر ختم کرتاہوں۔خداکرے آسمان آپ کا محکوم اور ستارہ آپ کا غلام رہے۔ راقم خط خیراندیش اسد اللہ محررہ جمعرات پہلی رجب ۱۲۶۵ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۸۴۹ء

☆..☆..☆

نامہ بنام نامی نوروز علی خان بہادر [اعتقادالدولہ]

خط نمبرا

اے عالی جاہ اے مخلصوں کی امید گاہ' عرصہ ہوا کہ آپ نے خط سے سرافراز نہیں فرمایا۔ دو خط [ناظر] حسین مرزا کی وساطت سے مظفرالدولہ [ناظرالملک مرزا سیف الدین حیدرخان سیف جنگ] بہادر کو بھیجے گئے اور ایک تحریر میراحمد حسین کے ہاتھ ارسال کی گئی۔ میراحمد حسین خود اس شہر[لکھنؤ] پہنچے اور آپ کی پابوسی سے مشرف ہوئے اور مجھے لکھا کہ میں پہونچ گیااورخط پہنچادیا۔ کس طرح کہوں کہ مظفرالدولہ بہادر نے میرے خط آپ کو نہ دیئے اور اپنے مکان کی دیوار کے سوراخوں میں رکھ دیے۔ یارب یہ ساری بے التفاتی کس وجہ سے ہے۔ یا تو وہ (زمانہ) تھا کہ غیاث الدولہ [حکیم رضی الدین حسن خان] اور دوسرے احباب آپ کی خیریت مجھ سے پوچھتے تھے یا اب ناسازگاری کی بنا پر وقت نے یہ ڈول ڈالا ہے کہ مین ہر دروازے سے آپ کی خیریت لیتا پھرتا ہوں۔ ایک بار میراحمد حسین نے اس فرخندہ خو (آپ) کی خیریت لکھ کر دیدہ و دل کی چارہ گری کی تھی۔ بے شک (میراحمد حسین) کو آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ہی ملتا ہے جگر تشنہ التفات ہے۔مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور اس پر اپنی بزرگانہ شفقت کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس پر توجہ نہ دینے اور نوازش نہ کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھ سے بھی بیزار اور دل برداشتہ ہیں۔

آپ کی بے رخی خاص طور پر ایسے زمانے میں کہ جب میں بہت غمزدہ ہوں' بیان سے زیادہ جاں گزا ہے اور ظاہر ہے کہ غمزدہ کو غمخواری (ہی) کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ بارے خفگی دور کریں اور قدرے غمزدوں کی طرف توجہ دیں۔ خط کے جواب کا پیاسا اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر مشفقی منشی احمد سلمہ اللہ تعالی

حاضرین مجلس میں نہ ہوں تو میر احمد حسین کو حکم دیں کہ وہ چند سطریں آپ کی طرف سے لکھ دے اور اگر وہ بھی (آپ کی خدمت میں) نہیں آتے تو خدا آپ کا حافظ و ناصرہو خود زحمت کریں اور دو لفظ اپنی گہرفشاں انگلیوں کو حرکت دے کر تحریر کر دیں۔ہو سکتا ہے کہ وہ تحریر ہی رفع غم کا تعویذ ثابت ہو۔ خدائے عظیم کی قسم کہ دہلی میں ان دنوں میں اس طرح مضطرب ہوں جیسے مچھلی آگ میں اور سمندر پانی میں۔۔

ہر لحظ دل بسوئے بیاباں کشد مرا   آب وہوائے شہرمن ساز گار نیست

ترجمہ۔۔ ہر لمحہ میرا دل مجھے بیاباں کی طرف کھینچتا ہے۔شہر کی آب و ہوا مجھے سازگار نہیں۔

ہندوستان میں کوئی ایسا صاحب جاہ نہیں کہ اس بے حیثیت گروہ سے رشتہ توڑ کر اپنے آپ کو اس کے دامن دولت سے وابستہ کر لوں۔ کیاکروں میرا (تو سارا) سرمایہ ہی شاعری ہے۔ اور اس (جنس) کو اس قلمرو میں کوئی ایک جو کے بدلے بھی نہیں خریدتا۔ گویا ساری زندگی جھک مارتا رہا۔ افسوس اس وقت پر کہ میں نے مشق سخن میں ضائع کر دیا۔ کاش ابتدا ہی سے میں گانے بجانے کی طرف توجہ دیتا اور چنگ و چغانہ بجانا سیکھتا۔افسوس کیا کہوں یہ لوگ کہ گا بجا کر روٹی کھاتے ہیں (میری طرح) مفلس نہیں۔(لیکن یہ بھی خیال آتاہے کہ) اگر میں مثال کے طور پر پیشہ ور گانے بجانے والوں میں ہوتا تب بھی اس جماعت کے بدقسمتوں میں ہوتا اور جس طرح آج کوئی میری (نقد) سخن کا طلبگار نہیں (اسوقت) میری آواز کا خریدار نہ ہوتااور میری عمراسی طرح ناکامی اور تیرہ بختی میں گزرتی۔

ایک دن میرے ایک ہمدم کو مجھ پر اور میرے حال زار پر بڑا ترس آیا۔ بہت رنجیدہ ہو کر کہنے لگا افسوس اس امر پرہے کہ قدرت نے تجھے اکبر اورشاہ جہاں کے عہد میں دنیا میں نہ بھیجا۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں اگراس مبارک دور میں بھی ہوتا تب بھی اسی طرح خستہ و خوار ہوتا اور زمانے کے دسترخوان پر میری خوراک خون

(جگر) کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتی اور میری دسترس دو روپے روزینہ سے زیادہ نہ ہوتی۔ قصہ مختصر آج سے میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا ہے کہ ہفتے میں ایک خط آپ کو انگریزی ڈاک سے بھیجا کروں گا اور اس کا حصول آپ کے ذمہ ہوا کرے گا تاکہ خط کی رسید کی بابت دل کو اطمینان رہے۔ دیکھتا ہوں کب تک آپ تنگ نہیں ہوتے اور خط کا جواب نہیں لکھتے۔ والسلام اسد اللہ محررہ و فرستادہ پیر ۲۷ نومبر ۱۸۴۵ء

☆..☆..☆

بنام دوستے

[نواب مظفرالدولہ ناصرالملک مرزا
سیف الدین حیدر خان سیف جنگ؟]

خط نمبرا

قلم کہ ناطق خاموش ہے غالب آشفتہ نوا کی زبان میں بات کر رہا ہے۔ بیدلوں کی ہمدردی میں اس بے زبان کی باتیں سننے کے لائق ہیں۔ مرحمت نامے نے واردہونے کی خوش خبری پہنچائی اور نگاہ شوق کی تاثیر نے(انتہائے شدت میں) بھکو نواب نجستہ القاب کی تحریر کو ورق سے دل پر اتار لیا۔

تحفتہ الحدائق کے دوبارہ پہنچنے پر چیں بہ جبیں نہ ہوں چونکہ یہ اوراق آپ کے حکم امتناعی کی وصولی سے دو دن پہلے بھیج دیئے گئے تھے۔ اب آپ کے حکم امتناعی کے اجرا پر اخبار کا اجرا روک دیا گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ کسی دوسری قسم کااخبار بھیجنے کے لئے منتخب کرناچاہیے۔

اے بندہ پرور اس اخبار کے علاوہ کہ جس کا نام تحفتہ الحدائق ہے اور جس کو (آپ کی) قبولیت کا شرف نہیں ملا اس شہر(دہلی) میں چار دوسرے اخبار بھی چھپتے ہیں۔ سراج الاخبار مطبع سلطانی میں'دہلی اردو اخبار مطبع محمد باقر سلمہ' اللہ تعالیٰ میں اور قرآن السعدین مطبع سرکار انگریزی میں۔ ان تینوں پرچوں کو اگر چھوڑ دیں تو پھر وہی سید الاخبار ہے جس کو آپ نے بارہا میرے پاس دیکھا ہے اور راتوں کو پڑھا ہے۔ ان (چاروں) میں سے جو بھی آپ کو پسند ہو بھجوا دیا جائے۔

حکیم احسن اللہ خان کا خط ایک معتمد کو دے دیا ہے کہ لے جائے اور مکتوب الیہ کے حوالے کرے لیکن ابھی تک وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔ جیسے ہی پہنچا اس کو آپ کے پاس پہنچانے میں دیر نہ ہو گی (اور) مغل علی خان کے نام کا خط تو

میں نے خود اس نامور کو دیا ہے۔اس نے فورا ہی اس کا جواب بھی لکھ کر میرے حوالے کیا چنانچہ اس خط کے ساتھ ہی آپ کی نظر سے گزرے گا۔

غیاث الدولہ حکیم رضی الدین حسن خان کیا کہوں کیا کہتے ہیں اور آپ کو کس قدر یاد کرتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ دیر آپ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو جس دن آپ کا خط پہنچتا ہے اسی دن میں سلام آپ کی طرف سے ان عالی مرتبت کو پہنچا دیتا ہوں۔ انہوں نے بے شمار سلام میرے حوالے کئے ہوئے ہیں تاکہ جب کبھی آپ کو خط لکھوں تحریر کو ان کے سلام پر ختم کروں۔ میر کرم علی صاحب بھی سلام پہنچا رہے ہیں۔ منجانب اسد اللہ محررہ منگل پندرھویں مئی ارسال کردہ بروز بدھ سولھویں ماہ مذکور ۱۸۴۹ء۔

☆..☆..☆

بنام منشی ہیرا سنگھ صاحب

خط نمبر۱

سعادتمند و صاحب اقبال منشی ہیرا سنگھ خدا اس کو سلامت رکھے سلام اور آرزوئے دیدار کے بعد باور کریں اور یقین جانیں کہ دل تمہاری طرف نگراں ہے۔ نہ معلوم کیاواقعہ ہوا کہ پے درپے چار روز گزر گئے اور تشریف نہ لائے۔اگر مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو مجھے بخش دیں اور اگر نہ آنے کی کوئی اور وجہ ہے تو مجھے اس سے آگاہ کریں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آئیں اور بار غم کو میرے دل سے دور کریں۔

والسلام اسد اللہ بے گناہ و روسیاہ و عذر خواہ۔

☆..☆..☆

آغاز مکاتبات[1]

خطوط بنام منشی جواهر سنگھ جوهر

(۱)

سعادت و اقبال نشانا' هم بخت خود را آفرین گویم و هم شمارا به سعادت منشی و مهرورزی ستایم که کلک شما بنام من جنبید- در نبشتن نامه دیر میکنید و هم این درویش و هم پد ر خود را نگران میدارید و دانم که بخدمت مولانا کمتر میر سید و ندانسته اید که من شما را به اوشان سپرده ام- هر آینه شما را باید مولانا را بجای من شناختن و بار خود بر اوشان انداختن- نه اینجا اغلب اوقات نزد من می بودید و از خانه و کارهای خانه خبر نداشتید و حاصل صحبت من نبود مگر سلیقه شعر که آن نه بکار دنیا آید و نه به کار دین- با مولانا چرا نه پیوندید تا دانش اندوزید و کار آموزید و در کارگزاری بجائی و در گیتی ببرگ و نوائی رسید- از حال میجر صاحب آنچه توان نوشت اینست که از دانه و دام فریبندگان قلعه تا امروز ایشان را نگاه داشته ام- لختی خود هم بمشاهده روشهای این قوم رمیده دل شده اند و آنچه گمان کرده اید که زمین ها طرح میشود' میجر صاحب و محمد ضیاء الدین احمد خان بهادر غزلها میگویند' حاشا ثم حاشا- ع خون باد زبانی که باشعار بجنبد

میجر صاحب این فرود آمدن جای را گذاشتند و کوٹھی فیض طلب خان بکرایه گفرتند و در آنجا سکونت ورزیدند- من خود از

---

۱ طبع دویم میں اغلاط طباعت کی کثرت اور صفحوں کے خلط ملط ہو جانے کے سبب یہ مناسب سمجھا گیا کہ فارسی متن طبع اول کا اختیار کیا جائے- مستزاد یہ کہ وہ اغلاط نامہ جو فہرست خطا و صواب کے عنوان سے طبع دویم میں شامل ہے خود اغلاط سے پُر ہے اور صحیح رہنمائی نہیں کرتا-

روزیکه شما رفته اید رنجورم- دردی در شانه پدید آمد و ریش از اعضا سربرزد- هم درد گرانپای بود و هم زخم دیر بهم آی- سه ماه صاحب فراش بودم و تا منزل نواب امین الدین احمد خان بهادر و حرمسرای خویش نمیرفتم- اکنون که آن درد زوال پذیرفت و آن زخم به شد- خون من در پیرانه سری جوش زد و پیکر من چون سطح سپهر مجدر شد- از سر تاپا لکه های سرخ سو زنده پدید آمد- بفرمان حکیم امام الدین خان رگ باسلیق زده ام و آب شاهتره سبز مروق می اشامم تا بعد ازین چه روی دهد و فرجام کارچه شود- درین رنجوری سر و برگ سخن سرائی کجا بود- آری یک قصیده در ستایش مولوی صدر الدین خان بهادر گفته ام، چنانکه نقل آن همدرین اوراق بخدمت حضرت مولانا فرستاده ام- از حضرت مستعار ستانند و نقل بردارند- دیوان فارسی در مطبع منشی نور الدین احمد منطبع میشود و نوبت انطباع تا قصائد رسیده است- یک جلد از بهر شما خواهم خرید- مکتوب شما بمرزا زین العابدین خان بهادر داده شد- اینوقت چاشتگاه است، روز پنجشنبه، چارم ربیع الاول و سیزدهم مارچ، والد شما رای چهجمل صاحب سلمه به پهلوی من نشسته اند و من با ایشان حرف میزنم و این ورق مینویسم- هم ایشان و هم مادر شما و هم برادرشما و هم[1] زن شما همه تندرست اند، خیریتها حاصل والدعا-

ایضاً: ۲

سعادت و اقبال نشان رای جواهر سنگھ جوہر از عمر و دولت برخوردار باشند و نامه نگار را همواره دریا دخود انگارند و ازخود راضی

۱ طبع دوئم میں "شما" طباعت سے رہ گیا ہے-

و خوشنود شناسند و نامه را که بمن از آکبر آباد فرستاده اند از فرط مهر بر چشم نهاده ام و این که پاسخ آن در نوردنامه موسومه مولانا فرستاده ام همانا مدعای من انست که ایشان راز را دریا بند و دانند که میانه من و مولانا دوئی نیست و اسد الله بصورت مولوی[1] سراج دین احمد از بهر غموخواری من در آکبر آباد موجود است- باللہ انچه مرا می پنداشتند مولانا را پندارند و بهر گونه دلجوئی که از من چشم داشتند بعینه ازیشان چشم دارند دیگر خاطر نشان شما باد که رای چهجمل پدر شما عاشق شما است و از هجر شما اندوهگین- اغلب اوقات بمن می پیوندد و از شما سخن می راند- جدائی شما از بهر آن گزیده است که آئین کار آموزید و از روزگار تجربه ها اندوزید- به هنجار گزارش کارها وارسید و چون کار گزار شده باشید بپایه های بلند فرارسید- اگر این جامعیت و جمعیت در آنجا دست بهم ندهد و روزگار مساعدت نکند' دران شهر مپائید و بوطن باز آئید- هیچگاه بر پدر پیر خود گران نیستید- در باز آمدن سبکساری و شرمساری نیست- از حال مشفقی خانصاحب پرسیده اید' یاد آورید که لختی رنجور شده بودند- حالیا نکو شده اند- پریروز که شنبه بود بگرمابه رفتند و سر و تن شستند و از رنج تن رستند کاری را که پیش نظر دارند هیچ سر و بن پیدانیست و به اعتقادبنده آن کار خود بی سرو بن است- بهرحال انچه روی خواهد داد و هرچه پیش خواهد آمد بشما[2] خواهیم نوشت- خط رای چهجمل موسومه شما بی عنوان با این نامه که از سوی من است میرسد' بر خوانند- دیگر بر شما پیداست که اعتقاد الدوله نوروز علیخان خواجه[3] سرای از جان دوست تر دارم بیمهر از راه دریا به آکبر آباد رفته و تا امروز از هیچمقام

ا اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق درست "سراج الدین احمد" ہے-
۲ طبع دویم و اول دونوں میں "خواہیم" ہے لیکن اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق درست "خواہم" ہے-
۳ طبع دویم کے اغلاط نامے کے مطابق سرائی کے بعد لفظ "را" رہ گیا ہے- دونوں طباعتوں میں ایسا ہی ہے-

نامه و پیام نفرستاده' سخت دلتنگم باید که در شهر بجویند اگر بکانپور خرامیده باشد بمن خبر دهند و اگر در انجا باشد بوی پیوندند و از من سلام رسانند و حال مزاج و احوال عزم وی و مدت وی در اکبر آباد دریافته بمن نویسند درین خواهش مرا مبرم دانند و جواب ابن نامه زود فرستند والدعا-

ایضاً":۳

سعادت و اقبال نشان رای جواهر سنگھ را چرخ یاور و بخت فرمانبر باد- نامه که بپاسخ هزار نامه من بود رسید و تلافی آزار خاطر غمدیدئه من کرد- ع

عمرت دراز باد که اینهم غنیمت است

باری از روی نگارش شما پدید آمد که هوای سوداگری بسر نماند- اگر پدر شما شما را سوداگر نخواست' خواهش آن پیر جهاندیده نه بیجاست- آری تا سرمایه نبود سودا راست نیاید و سود دست بهم ندهد-[1] دولاب گردش دکان چشم داشتن کشتی بر خشک راندن است- یزدان را سپاس گویند که رفته رفته بجائی رسیده اند که نشگفت اگر بر[2] برگ و نوائی رسند- این فرزانه یگانه یعنی مولوی سید رجب علیخان که حالیا امید گاه شماست کالبد مردمی را جانست- زنهار دامنش از کف نگذارند و خود را و کار خود را بوی سپارند- نوشیتد که پارئه از نظم و نثر میتوان فرستاد- این سخن دو محل دارد- یاخود آنست که مجموعه نظم منطبعه مطبع منشی نورالدین احمد آنجا رسیده است و آنچه جز آن گفته باشم می خواهند- همانا اگر چنین است باور دارید

---

۱ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "دولاب" سے پہلے لفظ "بہ" رہ گیاہے- دونوں طباعتوں میں ایسا ہی ہے-
۲ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "بر" کی جگہ "بہ" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "بر" ہی ہے-

که پس از انطباع آن اوراق جز قصیده تهنیت فتح پنجاب هیچ نگفته ام و اگر آنست که آن دیوان را کس دران دیار نبرده است می بایست که آن مجموعه میخواستند نه اشعار پراگنده- بهر حال اگر بنویسند یک جلد دیوان بشما فرستم تا آنرا از جانب من به همایون خدمت حضرت مولانا پیش کشند و نقش ارادت مرا بکرسی نشانند- نامه شما موسومه اقبال نشان مرزا زین العابدین خان بهادر نزد منست- مکتوب الیه همپای نواب علی محمد خان[1] به جهجر رفته است- برگاه نامه بوی خواهم نبشت مکتوب شما نیز خواهم فرستاد- خیر و سلامت حضرت مولوی گل شاه صاحب سلمه الله تعالی از تحریر شما آشکار شد- حقا که بر من منت عظیم نهاده و از دوست خبرم داده اید- از جانب من بسیار پرسید و سلام[2] من رسانید و نیازمندیهای مرا عرضه دارید- حالیا در لکهنو روز و شبی دیگر است- شاهی که من او را ستایشگر بودم و دوست من با وی روی سخن داشت ناگهان مرد- پسرش که بجای وی اورنگ نشین است آشفته سر و تباه رای کسی است به بر کندن بنای پرستش جاهای هنود فرمان داد- لاجرم فتنه ها زاد- اوباش شهر و زیرش را ببازار گرفتند و دو سه تیغ زدند و خستند و همچنان خسته گذاشتند- جز با مطربان نمیگراید و خردی استوار و رای روشن ندارد- روزگاری دراز باید تا آشوب فرونشیند و ایمنی پدید آید و راجه جوالا پرشاد و اعتقاد الدوله نوروز علیخان کار از سر گیرند و سلسله بجنبانند و فرمان طلب بنام من فرستند- ع[3]

ما خانه رمیدگان ظلمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

---

۱ اغلاط نامہ طبع دوم کے مطابق "خان" کے بعد لفظ بہادر رہ گیا ہے- دونوں طباعتوں میں ایسا ہی ہے-
۲ اغلاط نامہ طبع دوم کے مطابق لفظ "من" زائد ہے جبکہ یہ لفظ دونوں طباعتوں میں ہے-
۳ اغلاط نامہ طبع دوم کے مطابق "ع" کی جگہ بیت ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "ع" ہی ہے-

مردن شاهزاده شاهرخ را بسبیل استبعاد و استعجاب نوشتن یعنی چه- مگر بدانست شما مرگ را بر خسروان و خسروزادگان دست نیست- بلی شاهرخ هنگام بازگشتن از شکار چون نزدیک میرٹھ رسید به تخمه رنجور شد و همدران ناحیت مرد- جنازه او را بشهر آوردند و در کلاری باغ پائین مزار مادرش بخاکش سپردند- عجب دارم از شماکه بمن نامه نبشتید و ننبشتید که چون من بشمانامه فرستم برسر نامه چه نشان نویسم- این بار این ورق را به پدرشما رای چھجمل میدهم تا در نورد نامه خود بشما فرستند- زین پس آن خواهم که نشان فرو[1] آمدن جای خود بنویسند تا نامه من بواسطه دیگری بشما رسیده باشد- دیگر درین تب و تابم که عنوان نامه را چون نامه اعمال من سیه چرا کردند و عرف و تخلص و چاه و گذر از بهر چه نوشتند- آیا نمیدانند که نگاشته های فارسی و انگریزی درهرماه دوچهار بار بمن از هر سوی میرسد و آنرا جز این که در دهلی به اسد الله برسد رقمی دیگر نمی باشد اگرچه بزعم شما فرومایه و گمنام باشم و جز عرف بنامی که دارم نیرزم' اما دیگران به رغم شما ناموروم شمارند' خاصه بریدان ڈاک که جاده شناس زاویه من اند' نامه اگر تنها به نام من باشد می توانند آورد- پس از انجامیدن این گفتگو که تعلق بپاسخ نگارش شما داشت' سخن دران میرود که زنهار اندیشه دیگر را بدل راه ندهند و خود را دران دیار بهر در نبرند و شرف روزگار خود دران سنجند که دامن[2] حضرت مولوی معنوی دامت برکاته محکم گیرند- باللہ این[3] بزرگوار یگانه روزگار در[4] جوانمردی و مردمی آیتی از آیات پروردگار است- حیف که ورقی از گفتار شهوارش بمن ارمغان نفرستادید- شمارا بجان من سوگند که چون این

---

۱ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "فرود آمدن" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "فرو آمدن" ہی چھپا ہے۔
۲ اغلام نامہ طبع دویم کے مطابق "دامان" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "دامن" ہی چھپا ہے۔
۳ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "این بزرگوار" درست ہے جبکہ طبع دویم میں لفظ "بزرگوار" رہ گیا ہے۔
۴ طبع دویم میں یہ لفظ "جوانمری" چھپا ہے۔

این نامه بشما رسد، پس ازان که خوانده باشید در آستین نهید و بنظرگاه ان والا نظر یعنی مولوی سید رجب علیخان بهادر برید و سلام من باجهان جهان شوق و عالم عالم آرزو باز گوئید و این ورق را بنظرگاه التفات آن مخدوم قدسی صفات در آورید و آن خواهید که سر تا سر فروخوانند تا پایه من در ارادت و عبودیت باز دانند- هله هان جواهر سنگهه در دل نگذرانی که غالب خوشامد گوی و دنیادار است- میدانی که من در فقر غنی و در تهیدستی تونگرم- چرخ و ستاره را سپاس نپذیرم و شاه و شهزاده را خوشامد نگویم- تا تو نوشته ای مولوی سید رجب علیخان بهادر آئین حیدرپرستی و حیدر ستائی دارد، گوئی مرا بدست وی فروختی و دلم را بنور مهر وی افروختی، دانی که[1] من بنده علی ابن ابیطالبم علیه الصلوة والسلام و هر که را می شنوم که بنده اوست خداوند خودش میدانم و تن به بند گیش می دهم- شعر

کنم از نبی روی در بوتراب
به مه بنگرم جلوه آفتاب
ز یزدان نشاطم بحیدر بود
ز قلزم به جو آب خوشتر بود
نبی را پذیرم به پیمان او
خدارا پرستم به ایمان او
مرا مایه گر دل و گر جان بود
ازو دانم ار خود ز یزدان بود

از اسد الله نگاشته سه شنبه ۲۷ اپریل سنه ۱۸۴۷ ع، جواب طلب-

---

۱ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق لفظ "کہ" کے بعد "من" بھی ہونا چاہیے جو طبع دویم میں نہیں ہے-

ایضاً: ۴

جان من و جانان من، روزی بود که نامه بمن رسید که نگارش از شما بود و مهر از من- گفتم سبحان الله شگرفی آثار یگانگی و اتحاد که نامه هم بنام من است و هم به مهر من- شعر

خود کوزه و خود کوزه گر و خود گل کوزه، خود رند سبو کش
خود بر سر آن کوزه خریدار بر آمد، بشکست و روان شد

بجان تو ای جوهر فرخنده گوهر که چون آن ورق بمن رسید و من دران وقت تنها بودم مشاهده نقش خاتم خویش بر مکتوب موسومه خویش مرا به وجد آورد- بالجمله چشم براه نگین مهر داشتم- دیروز که سه شنبه و بیست و دوم اکتوبر بود رسید- همانا مهر کن در کشمیر نماند- ع

مجلس چو بر شکست تماشا بما رسید

پس از پژوهش پدید آمد که قریب صد کس از بوسناکان دهلی نگین ها فرستاده و در کشمیر کنانده اند و همه شرمسار و پشیمان شده اند- حالیا آن سعادت نشان را باید که دردسر نکشند و مهر دیگر بکندن ندهند- امروز درین فن نظیر بدرالدین بگیتی نیست- چون او بلنوشت، پندارم که خوبی سرنوشت منست- باری ازین نامه که نگین مهر در نورد آن بود پدید آمد که می آیند و زود می آیند- بیایند و داد دیدنه دیدار طلب دهند- دی عجب اتفاق افتاد- آخر روز بود و چون هیرا سنگھ خوی ان دارد کهٔ هر روز هرگاه از دبستان میخیزد سوی من می اید و یکدو ساعت می نشیند، دی روز نیز امده بود، اندک نشست و رفت- رفتن وی همان بود و آمدن سرهنگ ڈاک همان- چون ورق از هم شگافتم، مهر خود و نامه موسومه رای جی یافتم- گفتم کاش هیرا

سنگھ نرفته بودی تا نامه بوی دادمی و او می برد- بادل درین گفتگو بودم که رای چهجمل از پیش و رام دیال بقچه در بغل از پس از در در آمد[1]- مهر در صندوقچه نگاهداشته و نامه موسومه خود را دریده بودم و نامه موسومه بوی[2] در کف داشتم- نهان نماند که دوست دیرینه من چهجمل در هفته دوسه بار نزد من می آید و بسیار می نشیند- میانه من و وی اگر خلاف و نزاعی بود در قمار بود و چون آن صحبت برهم خورد مهر و محبت محض ماند و بس- کوتاهی سخن نامه بوی دادم، خواند و شاد شد و گفت که ورود این نامه درین روزها مناسب افتاد و مرا بکار آمد- گفتم یعنی چه- گفت ما درزن جواهر سنگھ دختر خود را به امروهه طلبیده است و تاب فراقش نداشتم و نپذیرفتن خواهش آن جماعه را وجهی نمی یافتم- الحال این خط را به امروهه میفرستم و مینویسم که چون شوی وی سوی وی می آید، هر آئینه نمی توانم او را به امروهه فرستادن- تااینجا سخنی است که لاله چهجمل بمن گفت- دیروز که آمده بود دوگونه شال دریز آورده بود- یکی را انتخاب کردم و از بهر شما پسندیدم- همانا یک قسم قماش پیش ازین بشما فرستاده است آن نیز پسندیده من است- از روزی که شما برای واسکت و شال دریز نبشته اید، بیچاره هر روز سو بسو میگردد و میجوید- وای که[3] فرنگی مل مرد- این واسکت ها و دیگر گونه گون قماشها او می آورد و می فروخت- پسرش مترو اگرچه قدم بر قدم پدر می پوید اما آنها که او می آورد

---

۱ طبع دوئم میں "در آمد" کی جگہ "رد آمد" چھپا ہے-
۲ اغلاط نامہ طبع دوئم کے مطابق یہ لفظ "وی" ہونا چاہیے جبکہ دونوں طباعتوں میں "بوی" ہے-
۳ طبع دوئم میں لفظ "وای" کے بعد "کہ" رہ گیا ہے-

آوردن نمیتواند- اکنون که ان نور چشم خود می آید و زمستان بسیار باقیست، فرصت خریداری اینچنین اجناس ارزانیست- امروز که چار شنبه بست و سوم اکتوبر و هنگام صبح است این ورق می نوشتم و سر آن داشتم که بڈاک فرسنم که ناگاه هیرا سنگھ دوان دوان آمد و فرمان رایصاحب آورد که اگر نامه بنام جواهر سنگھ نبشته باشی بمن فرست تا در نامه خود فروپیچم و روان کنم- همچنین کردم و این ورق را بی آن که معنون کنم به هیرا سنگھ سپردم- یزدان پدر شما را توفیق آن دهد که هم امروز بڈاک روان دارد والدعا- از اسد اللہ- مطلبی را فراموش کرده بودم پس از انجامیدن نگارش بتحریر آن میگرایم- شما بار بار مینویسید که از تاریخ سلاطن[1] تیموریه هرچه رقم پذیرفته باشد بشما[2] فرستاده شود- جان من این نوشتن کتاب محض نیست، جگر کاوی و خونابه پالائی است- تاامروز حمد و نعت و مدح و[3] ثنا و سبب تالیف کتاب و حال امیر تیمور سراسر و حال بابر اندکی که هنوز ناتمام است نوشته شده است- دستور من آنست که بر کاغذ پاره ها مسوده کرده آن مسوده را بکتابی که فرستاده شما است صاف میکنم و از بهر شما نگه میدارم- کاهل قلمم، رنجورم، بیدل و بیدماغم، دیر دیر مینویسم، اندک اندک می نویسم، گاه گاه مینویسم- بهر رنگ آنچه مینویسم ازبرای شما در کتاب شما ذخیره میکنم- بیائید و بنگرید و برخورید-

ایضاً ۵:

اقبال نشانا نامه نگاشته دوازدهم فروری رسید و نقش نگین

---

۱ طبع دوئم میں یہ لفظ درست چھپا ہے اور "سلاطین" ہے-
۲ طبع اول میں "بشما" ہے جو درست ہے جبکہ طبع دوئم میں "بشمار" چھپا ہے-
۳ اغلاط نامہ طبع دوئم کے مطابق "حمد و نعت و مدح شاہ" درست ہے-

شما به مشاهده رفت- معنی اتحادی که از عبارت اینمصراع پیداست بر شما پنهان نخواهد بود' ما نیز دعوی شما درین اتحاد مسلّم داشته ایم- امید که در فن سخن بپایه بلند رسند و بدین نام نامور گردند آنکه شگفت داشتن خویش از نارسیدن پاسخ منشور حضرت مولانا مدظله العالی نبشته اند مرا در شگفت افگند- درین روزهای فرخ دو طیلسان و یک شال رومال و دو توقیع وقیع از جانب ولی نعمت بمن رسیده و من آن هرسه ارمغان و هر دو مفاوضه را جدا جدا سپاس گزارده و پاسخ نگاشته ام- امید که هر یک بهنگام خویش بنظرگاه التفات خواجه بنده نواز گنشته باشد از شما آن خواهم که بند گیهای مرا عرضه دارید و این نامه را که بنام شماست از نظر فیض اثر مولانا گذرانید و [1] منت پذیری مرا مجددًا خاطر نشان گردانید- پس از روزی چند به عرضداشت جداگانه ناصیه قلم را سجده ریز خواهم کرد- بجان منت سوگند که تهاون نه ورزی و این ورق را بفروغ نگاه سیدی و مولائی سلمه اللّٰه تعالٰی مشرقستان گردانی- رای چهجمل که با جمعی از اخوان و احباب به امروهه خرامیده اند هنوز معاودت نه کرده اند امید که همدرین هفته به فرخی و خجستگی باز آیند- کتخدائی هیرا سنگهہ بر شما مبارک باد خدای را سپاس که هنگامئه شورش اوباش سر آمد و جهانیان را فیروزی روی نمود- خار و [2] خس که باقیست نیز زود رفته می شود و ملک [3] بی خس و خار میگردد- اغلب که بعد از فرونشستن این غبار آقای شما شمارا دستوری دهد و روی آوردن شما بدین سوی صورت بندد و مارا دیدار شما روزی شود- میر احمد حسین که

---

۱ اغلاط نامہ طبع دوئم کے مطابق "منت پذیری ہای" ہونا چاہیے جو دونوں طباعتوں میں نہیں ہے-
۲ اغلاط نامہ طبع دوئم کے مطابق "خار و خسی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "خاروخس" ہے-
۳ طبع اول میں "لی خس و خار" ہے جبکہ طبع دوئم میں "بی خس و خار" ہے جو درست ہے-

همنوای شماست و [1] میکش تخلص می کند به لکهنو رفته است در هر نامه که بمن [2] میفرستد بشما سلام مینویسد غیاث الدوله حکیم رضی الدین حسین خان بهادر التزام هرشنبه قدم رنجه فرمائی ندارند، گاه گاه می آیند- چون شمارا میپرسند، سلام و نیاز شما عرضه میدارم- از نقل مکان بزم برهم خورد، [3] آن جمیعت احباب نماند- شنیده باشند که دارا بخت شهزاده [4] ولیعهد بهادر شاه بود، جامه گذاشت- حالیا خسرو دهلی میخواهد که جوان بخت کهین پور خود را که از بطن زینت محل بیگم بنت صمصام الدوله احمد قلیخان است به ولایت عهد بردارد و فتح الملک المعروف بمرزا فخرو بر دلیل اینکه ولد اکبر سلطان است از بهر خویش مدعی ولیعهدی است- هنوز کار یکسو نشده و از گورمنٹ فرمانی درین خصوص نرسیده ع

تا یار کرا خواهد و میلش به که باشد

هان و هان من که بنگارش اخبار خامه فرسای شده ام ازان سعادت آثار مکافات بمثل میخواهم- اخبار عوض اخبار آرزو دارم- باید که نخست خیر و عافیت مخدوم من و هرچه بعد از مشاهده این ورق از دعا و سلام برزبان گهرفشان گذرد بمن نویسند- سپس حال خود و عزم آمدن خویش چنانکه مظنون منست برنگارند و ثالثاً لختی از ماجرای آن ناحیت که درباره مولراج چه فرمانست و شیر سنگھ و چتر سنگھ را چه می کنند و استیلای افاغنه را چگونه چاره گری خواهند کرد رقم نمایند والدعاء از اسد الله نگاشته‌ٔ سه شنبه بستم فروری سنه ۱۸۴۹ ع جواب طلب-

---

۱ طبع دویم میں "میکش" چھپا ہے-
۲ طبع دویم میں یہ لفظ "میفوستد" چھپا ہے-
۳ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق لفظ خورد کے بعد "و" بھی ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں ہے-
۴ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق لفظ شہزادہ کے بعد "کہ" بھی ہونا چاہیے جو دونوں طباعتوں میں نہیں ہے-

ایضاً”۶:

سعادت نشانا٬ نامهٔ رقمزدهٔ بستم فروری و نامه نگاشته ۲۵ فروری پی هم رسید- آن پیش از آمدن رای چهجمل از امروهه و این بعد ورود وی به دو روز- چون من آنرا نیز نگاه[1] داشه بودم٬ هر دو نامه را به رای جی نمودم٬ خواندند و بر سلامت شما شکر گفتند- لنگ در ڈاکخانه امانت داشته بودند- بعد رسیدن رای جی از ڈاک به اوشان و ازوشان بمن رسید- چون در خور من نبود٬ بسوی شما برگرداندم٬ یعنی به والد شما باز دادم- حالیا درین باب هیچ فکر نکنند٬ نه زر میخواهم و نه لنگ- فرمان من بجای آرند و زنهار خلاف آنچه اکنون مینویسم نکنند٬ یعنی نگران باشند چون راه ملتان کشوده شود و لنگهای آن شهر بلاهور آید٬ یک لنگ که برگز پود و تار ابریشمین و زرین نداشته باشد و همین به ریسمان که آنرا در لسان هند سوت گویند بافته باشند٬ اما کناره های سیاه یاکبود براطراف و خطهای ریزه که ان نیز سیاه و کبود و زرد باشد در [2] من داشته باشد و تنک و نرم و سبک بود٬ چنانکه پیران و قلندران را زیبد٬ خریده بهر من خواهی فرستاد٬ اما نه زود- هرگاه نغز و دلخواه و ارزان دست بهم دهد- الحال یک لنگ[3] منجمله دو لنگ عطیه مولانا و یک لنگ بخشیده حضرت کالیصاحب دارم و بسرمی پیچم- وازعطای مولانا یک لنگ بهر آن گفتم که طیلسان زرین را به حرم سرا بخشیده ام- بالله اگر زر یا لنگ زرین گرانبها خواهی فرستاد٬ نخواهم ستد- ظفر انگلیسیان به هوا خواهان آن فرقه مبارک و غم شکست سکهه به واقعه طلبان ارزانی- من ازین هر دو گروه نیم- باری شما برمن کرم کردید که این خبر نبشتید- بیصرفه سرایان اخبار انگریزی باور نمیداشتند و با نیروی نگارش شما

---

۱ درست ”داشتہ“ ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں داشہ ہی چھپا ہے-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق یہ ”متن“ ہے پہلی طباعت میں ”مسن“ اور دوسری میں ”من“ چھپا ہے-
۳ اغلاط نامہ کے مطابق لنگ کے بعد ”از“ بھی ہونا چاہیے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

مشت بردهان آنان زدم- پانزده بیت را دیدم سه تا را خط کشیدم و دُوازده نگه داشتم- بیت آخر را مقطع قرار دادم و مصرع ثانی آنرا هنجار برگرداندم؛ در مصرع اول "شب و روز" و در مصرع ثانی "مهر و ماه" از محسنات کلام است- از اسد الله نگاشته شب جمعه که صبح دوم مارچ است والدعا-

ایضاً:۷

سعادت و اقبال نشانا جانا؟ نامه شما و منشور عطوفت مولانا در نورد آن بمن رسید و مرا[1] به رسیدن عطیه امیدوار ساخته و من پاسخ آن نامه[2] نبشته در ڈاک بیرنگ بشما روان داشته ام- امروز سه شنبه ۲۶ دسمبر است- دولت موعود یعنی طیلسان بمن[4] رسید و نامه با آن نبود و برید ڈاک نیز از من چیزی نخواست- چون نگاشته روی عنوانش نگرستم پوسٹپڈ بود باری ازان رو که میدانستم درین کیسه چیست انعامی به آورنده دادم و آنرا کشودم و ردا را دیدم و از خود رفتم و بزخود بالیدم و همان دم آن هردو پاره را بهم پیوند دادم و برسر بستم- آشکار باد که من لنگ از بهر آن خواهم که بسر پیچم و معمم خرامم: چون دهلویان بر دوش نمی فگنم- باری جواب نامه مولانا و سپاس عطیه انشا کردم و این نامه که بنام نامی شماست؛ هم در نورد این ورق[5] پیچیدم و به حضرت مخدودم روان داشتم- حال عباس بیگ از تحریر شما[6] پدید آمد و خوشم کرد- مربی گری های حضرت مولانا ست یزدان این بزرگوار والاتبار را سلامت دارد- بشما مینویسم که منتسبان شما همگنان خوش و خرم اند؛ در آفتاب دلو بزم آرائی کدخدائی هیرا سنگھ خواهد شد- از اسد الله ۲۶ دسمبر سنه ۱۸۳۸ ع روز سه شنبه-

---

۱ دوسری طباعت میں یہ لفظ "درازدہ" چھپا ہے-
۲ دوسری طباعت میں یہ لفظ "یے" چھپا ہے-
۳ دوسری طباعت میں یہ لفظ "نبشتہ" چھپا ہے-
۴ دوسری طباعت میں یہ لفظ "رسد" چھپا ہے-
۵ دوسری طباعت میں یہ لفظ "پیچیدہ" چھپا ہے-
۶ دوسری طباعت میں یہ لفظ "پدیہ" چھپا ہے-

ایضاً:۸

اقبالنشانا مسرت افزا نامه نگاشته ۱۳ دسمبر به ورود خویش خوشنودم کرد و بر آمدن نامه مولانا از نورد آن ورق به خشنودی من افزود- پدید آمد که مولانا هدیه فرستاده اند- آن هدیۂ را عطیه ایزدی و توقیع سرفرازی خویش پنداشته ام- مردم پیش شاهان و شاهزادگان ناصیه بر زمین می نهند و به خلعتی که ازان فرقه یابند کلاه گوشه را بسپهر میسایند- منکه بنده مرتضیٰ علی باشم علیه[۱] التحیته و الثناء چون از [۲] زبده اولاد آنحضرت ارمغانی بمن [۳] رسید چون بر خویشتن نه بالم- پاسخ نامه مولانا هنوز ننگاشته ام و سر آن دارم که چون ذریعه نازش من بمن رسد، پاسخ نگارم و از رسیدن عطیه و [۴] سپاس دراں نامه سخن رانم- هان ای [۵] عزیز از جان این چه ماجراست که حضرت در نامه دو طیلسان یعنی دو لنگ می نویسند و شما یکی را می نمائید- چون نامه را کاتب خود آنحضرت بوده اند، سهو کاتب نیز نتوان گفت- همانا حضرت چنانکه نبشته اند دو طیلسان داده اند شما یکی را فی الحال فرستاده دومین را نگاهداشته اید تا پس از روزی چند[۶] بنام خویشتن فرستید و از بار سر انجام فرمایش من سبکدوش شوید- بس از مطائبه که از روی محبت و مسرت است گفته میشود که در [۷] نامه مندرج بود که پلنده لنگ امروز فرستاده ام و آن سیزدهم دسمبر بود تا امروز که

---

۱ طبع دویم میں یہ لفظ "التحیہ" چھپا ہے-

۲ طبع دویم میں یہ لفظ "زندہ" چھپا ہے-

۳ اغلاط نامہ کے مطابق "رسد" ہونا چاہئے جبکہ دونوں طباعتوں میں "رسید" چھپا ہے-

۴ اغلاط نامہ کے مطابق لفظ "سپاس" کے بعد "عطیہ" بھی ہونا چاہئے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

۵ اغلاط نامہ کے مطابق لفظ "عزیزتر از جان" ہونا چاہئے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

۶ طبع دویم میں لفظ "بنام" نہیں ہے-

۷ اغلاط نامہ کے مطابق "نامہ شما" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

بست و سوم دسمبر است بمن برسیده و خود آن اقبال آثار نبشته اند که در عرض پانزده روز خواهد رسید- یا رب رفتار ڈاک انگریزی را چه شد که از لاهوز بدهلی در دو هفته رسد- مگر ششماهه راه است؟ مظفر الدوله پارسل کتابی از لکهنئو فرستاده اند در سه روز از لکهنئو بدهلی رسیده است و دوری این هردو بقعه یعنی لاهور و لکهنئو برابر است- عیاذاً باللہ اگر آن طیلسان به رهروی که منزل بمنزل پوید[1] میدادند لامحاله در دسمبر ۱۸۴۹ ع یعنی زمستان سال آینده[2] برسد- بهرحال این مسئله جواب میخواهد والدین شما و برادر شما و منتسبان شما همگین بخیر و عافیت اند- از اسد اللہ مرسله شنبه ۲۳ دسمبر سنه ۱۸۴۸ ع-

ایضاً: ۹

نور دیده و سرور سینه غالب منشی جواهر سنگھ از عمر و دولت برخورند- نامه رسید و لنگ رسید و غزل رسید- نامه از خوبی و خوشی شما و رسیدن مهر نیمروز آگهی داد- هر آئینه به نامه خوشنودم' بوسیدم و بچشم سودم- لنگ و غزل هر دو چنان که بودن و بودن هر یک یکسان- من لنگ از بهر آن جویم که بسر پیچم- خود انصاف کنند که اینرا بسر توان پیچد- باری هیچکاره هم نیست' در شبهای تابستان به رخت خواب چادر است و در روزهای زمستان بگرمابه لنگ' دستار اگر نباشد گو مباش' غزل خود هیچ است- لنگ دگر فرستند و غزل دگر گویند والدعا- از اسد اللہ نگاشته سه شنبه بستم مارچ ۱۸۵۵ ع-

---

[1] طبع دوم میں یہ لفظ میداند چھپا ہے-
[2] اغلاط نامے کے مطابق "برسند" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "برسد" چھپا ہے-

ایضاً: ۱۰

سعادت و اقبال نشان منشی جواهر سنگھ از عمر و دولت بر خوردار باشند- دل افروز نامه مژده ورود آورد زشتی آب و هوا و درشتی نهاد کوهستانیان هم از پیش میدانم' چراکه آن عزیز تر از جان مکرر نبشته اند- یزدان نگهدار باد- هیرا سنگھ دیوان عارف مرحوم هم بدان آئین که مهر نیمروز فرستاده بود میفرستد' بهنگام خویش خواهد رسید- مولوی رجب علیخان را دوباره بدهلی گذار افتاد- نخست آمدند و چند روز آرمیدند و بسوی جوده پور که صاحب اجنٹ بهادر راجستان در آنجا بود رفتند- چون برگشتند' باز بدهلی رسیدند و روزی چند آبخورد کرده بسوی وطن رفتند- کس ندانست که چرا رفته بودند و چگونه باز آمدند- همانا پسر بزرگ ایشان در سررشته ایجنٹی راجستان نوکر است' بهر دیدن وی رفته باشند و کهین پسر خویش و برادر کوچک خویش را در وهله نخستین باخود برده بودند- در باز گشت آن هر دو تن همره نبودند- همانا به صاحب ایجنٹ بهادر سپرد آمده باشند' تا هر یکی را بکاری گمارد- زیاده جز ارزوی دیدار چه نویسد- از اسد الله نگاشته روز شنبه ۱۲ مئی سنه ۱۸۵۵ ع -

ایضاً: ۱۱

جان من در آن هنگام سر نگرانی از اندازه گذشت و دل آگهی جوی بود- هیرا سنگھ نامه شما که بنام خودش بود آورد و بمن نمود- پدید آمد که به پشاور رسیده اند و آب و هوای شهر سازگار افتاده است- یزدان تندرست دارد و کاری به ازان کار و پایه بر تر ازان پایه که داشتند میسر گرداناد- دیوان عارف به رایصاحب سپرده آمد- والاجاه ضیاء

الدین خان زر نه طلبیده اند و هرگاه طلب خواهند کرد داده خواهد شد اینقدر زودی چرا اگر دانستمی که زود همی باید ادا کرد فرمان شما را کار بستمی و یازده روپیه فرستادمی- چون تقاضا نیست زودی چه ضرور است- مردم خانه شما همدرینجا هستند' به امروهه نرفته اند- هیرا سنگهه میگفت که تندرستی و خوشنودی حاصل است- مردن زن هیرا سنگهه شنیده باشند' حیف که جوان بلکه میتوان گفت که در طفلی مرد و هیرا سنگهه بی مونس ماند- می بینم که اندوهگین است- از شما میخواهم که جواب این نامه زود بنویسید و حال خود مفصل دران نامه درج کنید و این نیز برنگارید که مقدمه قرض و دیگر نالشهای هرزه سراسر انفصال یافت یا هنوز گردی ازان لشکر و آتشی ازان کاروان باقیست والدعا- از اسدالله روان داشته شنبه ۶ مئی سنه ۱۸۵۴ ع

ایضاً: ۱۲

از اسد الله دعا خوانند و با آنکه فراموشش کرده اند در یاد خود دانند- از نگاشته های شما که به رای جی میر سد چنان می تراود که هوای سوداگری در سر دارند مبادا در هوس سود سرمایه بباد دهند- من اینرا[1] نمی پسندم و شما را مانعم' آهنگ نوکری کنید و دست در دامن صاحبدولتی زنید تا بجای رسید زنهار اوقات تلف مکنید- حال لکهنئو بر شما نهان نیست اگرچه امجد علیشاه مرد و مرا در آغاز یاس روی داده بود' اما باز رنگ بر روی کار آمد و دانسته شد که نو روز علیخان را با شاه نو رسم و راهی به ازانست که باشاه متوفی بود- بمن مینویسد که زود است که منشور طلب فرستم- سخن کوتاه' ازین

---

1 اغلاط نامہ کے مطابق "این رای را" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں۔

نوشتن آن میخواهم که همه بان گرائید که در آنجا نوکر شوید و گوش بر صدا باشید تا شمارا کی می طلبم- العاقل تکفیه الاشاره-

ایضاً: ۱۳

کامگار سعادت آثار اقبال نشان منشی جواهر سنگھ جوهر دعا خوانند و دعا گوی خود دانند نامه های شما که بنام رای چهجمل میرسد مینگرم و برسلامت حال شما سپاس کردگار بجا می آورم- دیروز شامگاه قرةالعین هیرا سنگھ نامه شما که موسومه پدر شما بود آورد' خواندم و صریر کلک شمارا زمزمه گله خویشتن یافتم- جانا! هیچ نامه را پاسخ نگزارده نگذاشته ام و [1] مینویسید که نامه ها روان داشته ام و فلانی جواب ننوشته- خود بفرمای که نامه های نارسیده را پاسخ چگونه توان نگاشت- آری آن سفینه که از رسیدنش خبر نداده ام بمن رسیده است و من ندانسته ام که مرا چه می باید نوشت و با جان این [2] سفینه چه می باید کرد- اگر دیباچه یا تقریظ میخواستند' می بایست که نخست آنچه منظور بود دران اوراق رقم میکردند' انگاه سوی من روان میداشتند تا آنرا نگرستمی و درخور آن نثری فراهم آوردمی' چون چنان نکردند اکنون خود این کنند که باز بمن نویسند که چه نویسم- هرگاه در انجمن سیدی و مولائی بار یابند از من کورنش و تسلیم عرضه دارند- از اسد الله نگاشته پنجشنبه ۱۳ اگست ۱۸۴۹ ع-

☆..☆..☆

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "می نویسی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "می نو یسید" ہی چھپا ہے-
۲ طبع دوم میں "این سفینہ" کی جگہ صرف "سفینہ" ہے-

بنام رای چهجمل کهتری

مهاراج با[1] چو منی که جز محبت کیش دیگر ندارم عتاب چرا و خشم از چه راه؟ گفته فرستاده اند که به الور میروم و باز بتودیع نیامده اند- لاحول ولا قوة الا بالله بشنوید: دیروز آخر روز چنانکه خوی منست[2] بحانه نواب امین الدین خان میرفتم در عرض راه خواجه رحمت صاحب را یافتم' چون مدت هاست که میر خیراتی صاحب مرا با خواجه صاحب ملاقات داده اند' سلام علیک بمیان آمد لختی ایستادیم و خبر مزاج همدگر پرسیدیم- از حال دیوان و راجه پرسش کردم- گفت که خلاف سهلی روی داده بود' رفع شد- گفتم اکنون ماجرا چیست؟ گفت همه خوشی و خوشنودی تا اینجا سخن از زبان خواجه رحمت بود- من بشما میگویم که زنهار گمان نکنند که این نگارش از باب مناظره است و من بر عقیدئه خویش دلیل می آورم' بلکه خبر دادن محض است نخواستم که معلوم من بر شما مجهول ماند- برای خدا اگر بالفرض از من ازرده اند' خطای مرا بیامر زند و از جرم من در گذرند و تشریف[3] آورند که خاصه درین مقدمه سخن بسیار است- زیاده زیاده- اسد الله به اقبال نشان جواهر سنگھ دعا برسد باید که ایشان پیش پدر بزرگوار خود شفیع من شوند-

☆..☆..☆

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "چوں منی" ہونا چاہئے جبکہ دونوں طباعتوں میں "چو منی" ہے-
۲ طبع دوئم میں "بخانہ" ہے-
۳ اغلاط نامہ کے مطابق "آرند" ہونا چاہئے جبکہ دونوں طباعتوں میں "آورند" ہے-

در سفارش منشی جواهر سنگھ

به محمد فضل الله خان دیوان راج الور

مخلص نوازا غمزدگان را بمهر اندوه گدازا! این بار که مشفقی رای چهجمل را بدهلی گذار و گذر بزندان گمنامی نامه نگار افتاد، تا از هر در سخن راندند، فصلی از سپاس خجستگی کوی آن فرزانه یگانه فروخواندند- مرا خود اندیشه تنومندی گرفت و بر دعوی خویش برهانی دیگر دست بهم داد- همانا رای جی حکایت میکردند که جان کالبد مروت محمد فضل الله خان بامن سری و برحال زارم نظری دارند، بچشم داشت آرزو مند نوازی و کارسازی ایشان جواهر سنگھ را با خود میبرم- گفتم می بایست که اینمعنی بفرمان آن طرف صورت بستی- گفتند روزی سوادنامه فرزندم که بنام من بود دیده اند و روش تحریر و استعداد او را پسندیده اند، بلکه فرموده اند که چون این سرمایه استعدادی و روش سوادی هست، چرا بسوی خود نمیخوانید- نهان مباد که اقبال نشان جواهر سنگھ بهره از دانش دارد و سلیقه سخن شناسی از من فرا گرفته، چنانکه فرزند رای جی است، نور دیدهٔمن نیز هست و بیشتر بدیدارش شاد مانم- هر چند جدائی وی از خویش نمی خواستم، اما چون رای جی چنین گفتند بامید ناموری و تونگری وی بفراق رضا دادم و به به از خودی سپرده هم برخود و هم بروی منت نهادم- بالجمله درینمحل در گزارش سپاس اخلاق با رای جی همزبان و در صورت درست نشستن نقش مدعای نور چشم منشی جواهر

سنگهٔ شریک غالب ایشانم- بیش درین باره سخن نتوان راند و نیر را درخشانی و دریا را روانی نتوان آموخت- ع

که خواجه خود روش بنده پروری داند

والسلام بالوف الاحترام

☆..☆..☆

بنام منشی نبی بخش مرحوم

صبح است، پرده های ایوان فروهشته و در منقل آتشی افروخته و من بر کنار منقل نشسته و دست بر آتش داشته، خاورسوی پرده بالا زده اند، و پرتو مهر جهانتاب زاویه را فرو گرفته- گفتم درین وقت که خوش است با که سخن توان کرد- ناگاه در دل ریختند که گرامی برادری داری در کول و مهر پیشه یاری همدران شهر، صریر خامه بگوش حق نیوش آن دو روشن گهر فرو دم و بزبان نی بینوا با آنان سخن گوی- گفتم پاسخ از کجا یابم- گفتند دو سه روز گوش بر آواز دار تا چه شنوی- دو ورق را که بهم پیوسته بود از هم جدا کردم، ورقی را بنام شما و ورقی را به اسم سامی تفته نگاشتم و به ڈاک روان داشتم- اللہ اللہ للجنون فنون- کمی کردن بینش در چشم حق نگر آن والا برادر اندوه بر دل افزون کرد- آنانکه جام از جم و نگین از سلیمان برده اند همانا که در بردن تیز دستند، تا ره نبرند و سرمایه به یغما نبرند- نیاسایند کاروان ما را همین شنیدن و دیدن و گفتن و رفتن متاع است چرا بتاراج نرود- یکی را گوش گران است تا همنشین چه سراید- یکی را چشم نگران است تا که می آید- یکی را پای رفتن از کار رفته و یکی را نیروی رفتار رفته- غارت زدگان روزگاریم- داد از که خواهیم و داوری کجا بریم- غالب فلک زده حد ادب نگاه نداشت و در غزلی بدین هنجار فغان برداشت- شعر

سپهر را تو بتاراج ما گماشته
نه هرچه دزد ز ما برد در[1] خزانه تست

---

[1] طبع دوم میں "خزانہ درتست" ہے-

شکیب ورزند و داروئیکه دماغ را نیرو فزای و سرمه که تیرگی زدای باشد بکار دارند و اندوه نخورند- از خوردن اندوه کاری بر نمی آید- این نیروهای درونی و بیرونی بزر نخریده ایم؛ رایگان بخشیده اند- اگر ببرند؛ ستم نیست- از اسد الله نگاسته یکشنبه نوزدهم دسمبر ۱۸۵۲ع -

☆..☆..☆

نامه بنام نواب علاو الدین احمد خان بهادر

(۱)

جانشین غالب را از غالب دعا- نامه شما و پیام والا برادر رسید- هی هی چه مایه بیدرد و بدگمانست که سخن نمی پذیرد و میداند که سخن میتوانم گفت- خر نیست' خرس نیست' آدم است- جاهل نیست' عالم است- کودک نیست' جوانست که یارب به پیری رساد- آنکه پائی ندارد' گام چون زند- آنکه دست ندارد کار چسان کند- آنکه دل و دماغش نمانده باشد سخن چگونه سنجد- خواهد گفت که دل چرا نیست' دماغ چرا نیست- ای ستمگرنا پارسا دل هست اما نژند' دماغ هست' اما دژم آنکه در پیکر من دل و دماغ آفریده است' نیروی اندیشه و درخشانی فکر و ذوق چامه سرائی و هنجار قافیه پیمائی از من باز گرفت چنانکه هندیان گویند:

داتا کے تین گن' دے' نہ دے' دے کے چھین لے

کوتاهی سخن' غزلی همدرین زمین در دیوان منطبعه دارم که در کلکته گفته ام- نقل آن بخدمت میفرستم از نظر غلط نگر برادر گذرانند-

غزل

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دهیم
رنگ شو ای خون گرم تا به پریدن دهیم
عرصهٔ شوق ترا مشت غباریم ما
تن چو بریزد زهم هم به تپیدن دهیم

جلوه غلط کرده اند؛ رخ بکشا، تا زمهر
ذره و پروانه را مژده دیدن دهیم
سبزه ما در عدم تشنه برق بلاست
در ره سیل بهار شرح دمیدن دهیم
بو که بمستی زنیم برسر دستار گل
تا مئی گلفام را مزدِ رسیدن دهیم
بر اثر کوهکن ناله فرستاده ایم
تا جگر سنگ را ذوق دریدن دهیم
شیوه تسلیم ما بوده تواضع طلب
در خم محراب تیغ تن بخمیدن دهیم
دامن از آلودگی سخت گران گشته است
وه که در آرد زپا؛ به که بچیدن دهیم
خیز که راز درون در جگر نی دمیم
ناله خود را ز خویش داد شنیدن دهیم
غالب از اوراق ما نقش ظهوری دمید
سرمه حیرت کشیم دیده بدیدن دهیم

ایضاً:۲

دانشهای بسزا و اندیشه های رسارا به فرگاه تنگبار والا یزدان بار نداده اند و جز اینمایه آگهی که همه ازوست یا همه اوست در دید و دانست برروی هیچ دانشمند دیده ور نکشاده اند- خرد که آفریده نخستین باشد سزد که همه دان و همه بین باشد- هر آئینه هرچه پس

از وی به پیشگاه پیدائی شتابد این توانا سروش چگونگی آنرا پدیدار تواند ساخت- سخن در آنست که آن هست و بود را که پیش از وی بوده است چگونه تواند شناخت- چون خرد فرومانده تر از ماست، ماکه جز اندک بخشی از خرد نیافته ایم در دانستن خرد آفرین چون فرو نمانیم- همانا این نه بس باشد که خدا را آفریدگار و خرد را در آفرینش با سخن که پرتوی از شیدستان خرد تواند بود همدم و همراز دانیم، گوهر خرد را به ترازوی سخن سنجیم و نوای سخن را بهنجار خرد آهنجیم- اگر گفتار است ور دانش است، همه ایزدی فره و آمیغی ارزانش است- با این همه از دربایست های این کار آموختن فرهنگ است از آموزگار و به پیروی راه دان پیمودن راه گفتار-[1] ای ندیم هان بنگر برادر زاده نامور روشندل روشن گهر میرزا علاو الدین خان بهادر به فرتاب خرد خداداد راه سخن برهنمائی من رفت و[2] در پیری من جای من از من گرفت- اینک چنانکه در خویشاوندی و یگانگی مردم چشم جهان بین من است برچا ربالش هنرمندی و فرزانگی جانشین من است- آئین گفتار به تنومندی اندیشه آن نوجوان تو و گرویدگان مرا بمهر وی دل در گرو باد غالب-

☆..☆..☆

---

۱ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "ہاں اے ندیم بنگر کہ" درست ہے جبکہ ایسا دونوں طباعتوں میں نہیں-
۲ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "درپیری من و برنائی خویش بہ بزمستان سخن جائی از من گرفت" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں ایسا نہیں-

خط بنام جان جاکوب صاحب[۱]

فرخنده خو[۱] سرورا! پری روز که سه شنبه[۲] بست و هشتم فروزی بود، نامه بگرامی خدمت در ڈاک فرستاده شد و قطعات و تاریخ درست و هموار ساخته و آنچه درست بود همچنان گذاشته ورقی که فرستاده بودند همان ورق در نورد نامه فرو پیچیده است، بهنگام خود از نظر خواهد گذشت- غزلها هنوز به پرکار اندیشه تیز گرد نپیموده ام- همانا پس از روزی چند خواهم نگرست- این نامه که می نگارم ویژه ازبهر دوکار است، یکی این که قصیده که درین بار پیش کش نواب گورنر جنرل بهادر کرده ام و مطلع آن[۳] آنیست-

ای برتر از سپهر بلند آستان تو
تو پاسبان ملک و ملک پاسبان تو

مشتملبر سه مطلع و چهل بیت است و نیک یادم نمانده که درین کلیات که بخدمت فرستاده ام در شمار قصاید مرقوم است یا نه- اگر باشد نوید آگهی فرستند ورنه از اوراق سید الاخبار بدیوان نقل کنند- دیگر اینکه رسانندئه این نامه لاله هیرا لال از شرفای این دیار و خوبان روزگار اند- عمری برفاقت حکیم کاظم علیخان بسر برده، زان پس که بمقتضای حب الوطن بدهلی رسیده اند از بیدستگاهی فرومانده- فرجام کار خوش و ناخوش خود را بگوالیار رسانده اند- خط خوانا دارند و آئین کتابت دارند- اگر بکار آیند ایشان را نزد خود نگهدارند و

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "فرخندہ خوی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "فرخندہ خو" ہی ہے-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "بست ہشتم" درست ہے جبکہ "تبست و ہشتم" جو دونوں طباعتوں میں ہے درست ہے-
۳ اغلاط نامے کے مطابق "اینست" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

کارکتابت از ایشان گیرند و نیز آگر امکان گنجائی داشته باشد در زمره متصدیان بسرکار کرنیل صاحب والا مناقب یا بسرکار جاهمندی دیگر جا دهند و بر نامه نگار سپاس نهند و آگر این هر دو صورت ظهور نه گیرد ایشان را بعطای زاد و راحله بنوازند و کار ایشان بدانگونه سازند که از گوالیار تا بژوده توانند رفت و آقای قدیم خود را توانند دید- همانا این هر سه صورت که گفته آمد ناممکن و دشوار نیست و نوکری یک متصدی در گوالیار و رفتن یک مسکین تا بژوده آنقدرها کار نیست که در گزارش تکلف کنم و خود را از سپارش نگاه دارم، خاصه درین محل که مودت روحانیست و بیگانگی مفقود- والسلام نامه نگار اسد الله روسیاه نگاشته دوم مارچ سنه ۱۸۴۳ ع روز پنجشنبه که منسوب بسعد اکبر است-

☆..☆..☆

از اسد الله گم کرده راه- معروض بخدمت میر ولایت علی صاحب المخاطب به مشرف الدوله بهادر

(۱)

نفرین خدای برمن که زمین بوس شاهزاده ماه لقا و آنهم بمیانجیگری شما آرزو کردم و هرچند دانم که دانشوران دانند که فروغ گوهر رخشندئه من که[1] آفتاب ایزدی بخشش است بدین فروگذاشت که از سوی پایه ناشناسان بمیان آمد از آنچه بود نه کاست‘ اما ادائی که نه بهنجار باشد چگونه بامنش سازگار باشد- نه خود این بار پادشاهزاده را دیده ام بلکه زین پیش دوبار بدان همایون نشیمن رسیده ام- در هر دوبار زود خوانده اند و دیر نشانده اند و آبرو افزوده اند- حاشا که درین بار روش شاهزاده حرکت طبیعی باشد- همانا پیش ازان که من آیم قرار داد چنان بود که یکپاس در پاسبانانم نشانند و تا شاهزاده را بلهو نظاره صندوقچه مشغول نکنند مرا به پیشگاه نخوانند و چون روبروی رسم حضرت صاحبعالم اساس دلنوازی ننهند و مرا به نشستن دستوری ندهند‘ گوئی شاهزاده ورقیست ساده بدست طراحان و رنگ آمیزان افتاده تا طرحهای رنگ رنگ افگنند و نقشهای گوناگون زنند- کوتاهی سخن‘ تقریب دیگر است و تخریب دیگر- ما شما را مقرب میخواستیم نه مخرب- ع

خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

---

[1] اغلاط نامہ کے مطابق "آفتاب" کے بجائے "فرتاب" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "آفتاب" ہے-

هیهات به زمین بوس شاهزاده روی آوردن و آنگاه از شما پاس وفا چشم داشتن- ما فرمانروا پرستانیم و نان از کف تیغ آزمای کشور کشایان ستانیم- ما را با زاویه نشینان چه خویشی و باگسستگان چه پیوند- ندانند که ازین نبشتن آن خواهم که به تلافی گرایند بلکه مقصودمن همه آنست که ندانند که غالب نمیداند- والسلام

☆..☆..☆

بنام مولوی رجب علی خان

(۱)

سپاسی کزان نامه نامی شود   سخن در گزارش گرامی شود

هم از آفریدگار و هم از خواجه مرتضوی تبار بجا می آرم۔ نخست فرخنده دولتی و خجسته[1] حالی که بمن روداده درخشیدن نیر اقبال بود از افق خاور یعنی نظر فروز گشتن منشور رافت از طرف عنوان نامه سعادت نشان منشی جواهر سنگھ جوهر، سپس رسیدن آن طیلسان بهار توامان که از رنگ سبز و سرخ و کناره زرین سبزه زاریست که پیرامن آن رو بروی ارغوان کاشته اند۔ پرتوی و کشکهای مهر جهانتاب براطراف آن سر تا سر دیده۔ کیش تازی را پذیر فتار و کعبه را پرستار نباشم اگر به تشریف بارگاه گورنری که بارها یافته ام و به پیراهن ملبوس خاصه سلطان دهلی که یکنوبت از مهر بمن فرستاده اینمایه شادمانیم روداده باشد که رسیدن[2] این زمردین ردا۔ این نه خلعت شاهانست که آزادگان[3] بدان دل ننهند و فرزانگان ننازند۔ این شرف افزا تشریفی از خلعتخانه آل عبا که هم سرفرازی صورت است و هم روسپیدی معنی، هم سرسبزی عیانی است و هم تازه روئی نهانی امروز که سه شنبه بست و ششم دسمبر است نیمه از روز سپری شده بود و نیراعظم به سمت الراس رسیده که بدین گنج باد آورد تونگر شدم و شکیب نتوانستم ورزید و خود را از خودنمائی نگه نتوانستم داشت۔ دردم آدم به بازار فرستادم و ابریشم سبز طلبیدم و فرمان دادم تا هر دو پاره را بهم دوزند۔ رفتند و آوردند و دوختند و نوردیدند و بمن سپردند۔

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "خجستہ فالی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "خجستہ حالی" ہے۔
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "آری این" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں ہے۔
۳ طبع دوئم میں "ان" چھپا ہے جبکہ اغلاط نامے کے مطابق "بداں" درست ہے۔

آئینه پیش رو نهادم و بسر پیچیدم و کله بر آسمان فگندم و هم بدینصورت که گفتم به نامه نگاری روی آوردم۔ یزدان داناست که تا چنین نکردم جوش درون فرو نه نشست و فرجام بیتابی دل برنخاست۔ آنکه در والا نامه رقمزده کلک اعجاز طراز بود که طیلسان ناخواسته فرستاده میشود، اگر از بنده گستاخی بحل فرمایند برهانی می توانم آورد که ناخواسته گفتن درمیان نگنجد۔ آری اگرچه به آشکارا از منشی جواهر سنگھ خواسته بودم و رسیدن آنرا از خدا میخواستم، هر آئینه خواهشی که مرا با خدا بود حضرت که از نزدیکان خدایند اگر پیش از اظهار سعادت آثار موصوف بدان وارسیده باشند و از بارگاه ایزدی به روائی آن خواهش فرمان یافته باشند چه شگفت بیتی از استاد بخاطر داشتم بمناسبت مقام[1] بخامه میسپرم تا بر مخدوم عرضه دارد، تر من قال

شعر

کرد ظرف خواهش ما کوتهی قطره آبی ز دریا خواستم[2]

والسلام به الوف الاحترام از بنده درگاه اسد الله ۲۶ دسمبر، سنه ۱۸۴۸ء[3]

ایضاً: ۲

ارسطو جا ها سکندر سپاها نصیریان نصیرا حیدریان دستگیرا بدین روی بنده فرا رسیده باشند که غالب اندوهی جانگداز دارد

---

۱ طبع دویم میں یہ "نجانہ" چھپا ہے۔
۲ طبع دویم میں "خواستم" چھپا ہے جو درست ہے۔
۳ طبع دویم میں ۱۲۱۸ء چھپا ہے جبکہ اغلاط نامے کے مطابق ۱۸۴۸ء درست ہے۔

شعر

زین که دیدی به جحیمم طلب رحم خطاست
سخنی چند ز غمهای نهانی بشنو

سخن بسیار است بسیاری ازان فروگذاشته آید تا در صورت دردی که زندگی در گرو درمان پذیرفتن آنست عرضه داشته آید غم مرا در سرکار انگریزی جاهی و دستگاهی و ملکی و سپاهی بود- با من چنانکه پس از گذشتن سیل زمین نمناک ماند ازان همه آثار ثروت آبروئی ماند و بس- در انجمن گورنری بصف اصحاب یمین نشستگهی شایسته یافتمی و قصیده نذر کردمی و هم بدان نذر نه بصله مدح گستری بلکه به رعایت رئیس زادگی و سروری خلعت هفت پارچه با جیغه و سرپیچ و مالای مروارید یافتمی و بفرمان گورمنٹ نذر خلعت برمن معاف بودی- اکنون در فرد فهرست دربار لاهور مشاهده رفت که مرا از صف رئیس زادگان برون رانده در جرگه رعایا نشانده اند و توقیع پنجاه روپیه[1] زر و هفتاد و پنج روپیه خلعت رقم فرموده- هر آئینه بشگفتی فرومانده ام و تغییر صورت قدیم که آن نه کاستن بلکه هیاتی دیگر که هیچ گونه بشکل نخستین نماند آراستن است- شگفت چون نبود؟ خون در دل جوش زد تظلم بدرگاه فرمانده پنجاب بردم و عرضه داشتم که اگر این عقوبت[۲] مکافات گناهی است باید که من آن گناه راه بدانم و اگر نه چنین است در پستی نمانم و بر سر آن پایه که داشتم باز روم- جناب معلی القاب منٹگمری صاحب بهادر چه اندیشند و چه فرمان دهند- از گزارش روداد مراد من از آن حضرت آنست که اگر درین باره عنایتی تواند گنجید عنایتی ورنه هدایتی- زیاده حد آدب- غالب داد طلب-

☆..☆..☆

---

[1] اغلاط نامہ کے مطابق "زر" کی جگہ "نذر" ہونا چاہئے- جبکہ دونوں طباعتوں میں "زر" ہی ہے-
[۲] اغلاط نامہ کے مطابق "مکافات" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "مکافات" ہے-

خطوط بنام تفضل حسین خانصاحب مرحوم

حضرت سلامت، رافت نامه که از جیپور بال روانی کشوده بود بدلفریبی و [1] امید افزائی نه تنهاغم از دل بلکه دل از من ربود- چون جیپور، آرمشگاه مخدوم نیست درنگارش پاسخ درنگ ورزیدم- اکنون که بیش از دو هفته سپری گشت سنجیدم که از جیپور باجمیر رسیده باشند- نامه باجمیر میفرستم و محصول برملازمان برات میکنم- همانا عقیده جمهور آنست که کارگناران ڈاک در رسانیدن نامه بیرنگ[2] به توقع حصول محصول اهتمام بیشتر میکنند- بنده پرور صاحبا پیش ازین همه از خویش خجل بودم که جاهمندی را ستودم و کف دریوزه پیش کردم، حالیا از شما شرمسارم که بار بار زحمت میکشند- اهلِ فرنگ سپارش گدایان گوارا میکنند- گفتید و گفتید و از نگارش شما می تراود که هنوز به گفتن احتیاج باقیست- اگر مراد آنست که من منت پذیر باشم و سپاس گزار باشم به یزدان دادگر سوگند که هم منت پذیرم و هم سپاس گذار و چرا سپاس نه گذارم و چرا منت نه پذیرم که از لطف و تفقد آنچه میبایست بتقدیم رسید- یاد دارم که اندرین نامه که پاسخ آن میطرازم نگاشته قلم تفقد رقم بود که حکم تفضلی اززبان نواب صاحب شنوده اند، وزین[3] پس تحریکی میکنند تا آن حکم به امضا رسد- گوئی امضای آن حکم موقوف تحریک است لاجرم دل آشفته آرمید- سخن اینست که مرا اندرین روزها ضرورتی روداده که به اکبر آباد می باید رفت و بالفٹنٹ گورنر بهادر که آشنای دیرینه و مربی و غمخوار منست درد دل باید گفت- همه نگران آنم که یک دو باران بارد و هوا سرد و خاک خنک گردد تا روی براه آورم و به آگره پویم و اینکه من گفتم لامحاله در عرض یک ماه صورت

---

[1] اغلاط نامہ کے مطابق درست "امید فزائی" ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "امید افزائی" ہے۔
[2] طبع دوئم میں یہ "بیرنگہ" چھپا ہے۔
[3] طبع دوئم میں یہ "لیں" چھپا ہے۔

میگیرد- درین صورت چه خوش باشد که هم درین چهار هفته هر گونه پاسخی که بمن رسیدنی است رسیده باشد تا هم آن نامه مهری ماڈک صاحب نزد خود داشته باشم و هم ازان وسوسه و اندیشه فارغ باشم که نامه شما در دهلی رسد و بریدان ڈاک مرا نیابند و بسوی شما برگردانند- چون عطوفت و رافت را پایه ازان برتر نهاده اند که[1] در اندیشه بدان توان رسید و[2] خواهم که آغاز را بانجام رسانند و همدرین ماه کار را اتمام گردانند- میرزا علی بخش خان سلام میرساند و فخر الدین کورنش عرضه میدارد- بخدمت مشفقی مکرمی سید ارشاد حسین[3] سلام میرسانم و عذر کوته قلمی میخواهم و نگارش نامه را بوقت دگر می اندازم والسلام مع الاکرام و هم چون ضروری است جواب طلب-[4] اسد اللہ بی ادب-

ایضاً: ۲

بخدمت وافر المسرت حضرت اخوان پناهی مطاع امیدگاهی دام بقاوه به زبان خامه که ترجمان دل و میانجی شوق است حرف میزند-[5] ازین پیش مشفقی طالع یار خان نامهٔ نامی بمن داده و من همان[6] روز آن نبشته[7] و هم بدان ستوده خوی سپرده ام و پس از دو سه روز خبر یافته ام که صرصر نامی از بریدان ملازم سرکاری آن نامه را برد- باری این

---

۱ طبع دوئم میں "دور اندیشی" چھپا ہے-
۲ اغلاط نامے کے مطابق "وخواہم" کی جگہ صرف "خواہم" ہونا چاہئے-
۳ اغلاط نامے کے مطابق "حسین" کے بعد "صاحب" بھی ہونا چاہئے- جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۴ اغلاط نامے کے مطابق "از اسد اللہ" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۵ طبع دوئم میں "میزد" چھپا ہے-
۶ اغلاط نامے کے مطابق لفظ "روز" کے بعد "پانچ" ہونا چاہئے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۷ اغلاط نامے کے مطابق لفظ "نبشتہ" کے بعد "و" بھی ہے جو دوسری طباعت میں نہیں-

روزی چند که طالع یار خان را در شهر اتفاق اقامت[1] افتاده خوش گذشت که چون گاه گاه بهم مینشستیم از محامد اخلاق آن یگانه آفاق حکایت میانه هم میرفت- اینک هفته بیش نگذشته باشد که مکرمی قاضی فصیح الدین بداونی را آز آگره بدهلی گزار افتاد- چون شما را دیده بود و هم ازان انجمن می آمد ورود شما از تونک بمتهرا و متهرا به اکبر آباد بمن باز گفت- این فرخنده آئین را نیز چون خود ثناخوان و در ستایش شما با خویش همزبان یافتم- امروز سومی روز است که از من پدرود شد وسلامی از ما برد تا بشما رساند و اعجب که حضرت نیز زود نه دیر از آگره به تونک رهگرای شوند و چون بدان خجسته منزل رسند این نامه که تحویل طالع یار خان است از نظر گذرد- نهفته مماناد که این بار طالع یار خان که دوست دیرینه منست بار گرانی بر دوش من نهاد- بپارسی ترجمه کردن هندی عبارتی را که بر گزارش آئین پیچهای بانک مشتمل بود از من خواست و سرانجام این خدمت را ذریعه خوشنودی خاطر خطیر حضرت نواب معلی القاب عالیجناب وا نمود- چون زله خوار خوان جود آن والا جاه بودم و سپاس میبایست گزارد‘ توسن خامه را دران گذرگاه تنگ بجولان آوردم و سفینه که دیباچه و خاتمه نیز دارد ترتیب داده به کارفرما سپردم و عرضداشتی بران افزودم تا روایی آرزوی ورود توقیع را بهانه تواند بود- داد خوبی عنوان دیباچه از شما اولاً“ و از مطاعی و[2] مخدومی مولوی ظهور الدین علی دامت برکاته ثانیا میخواهم که تا بنگرند و دریابند که ممدوح را دران دیباچه بکدامی زبان و درستایش فن بانک که حقیقت آن پیداست که چیست‘ سخن را بکدام پایه برده ام و با ایسهمه

ا اغلاط نامے کے مطابق "افتاد" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "افتادہ" ہے-
۲ اغلاط نامے کے مطابق مخدومی کے بعد "حضرت" بھی ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-

چه در دیباچه چه در جریده نوی طرز نگارش و نو آئینی هنجار گزارش از دست نرفته و گفتار همچنان بر روش خاصه خویش بر جای مانده است- باالینهمه که گفتم دانم که نازش من در سحر طرازی آن زمان رواست و داد جانگدازی خویش آنوقت یافته باشم که بندگان رفیع الشان نواب سلطان نشان گفتار مرا پسندند چون سخن بدینجا رسید و مدعا سراسر گزارده آمد خامه از کف می نهم و نامه را فرو می پیچم- عمر فراوان باد و دولت روزافزون-

ایضاً: ۳

قبله جان و دل سلامت' عذر تقصیر خویش میخواهم و تکیه بر کرم دوست کرده بسخن میگرایم بخدا که نور خرد در دل و جان و گنج سخن در کام و زبان نهاده اوست که از حضرت خشنودم و چنانکه بوجود آفریدگار ظن دارم این نیز میدانم که حضرت را در روائی آرزوی من سعی فراوان است و چون کار بر نیاید و شنونده گوش بگفتار و دل بکردار ننهد حضرت چه کنند و چگونه کام دل من از دگری برور ستانند و درین محل مرا می بایست که از مقصود قطع نظر کردمی و دیگر بدوست درد سر ندادمی و یزدان داند قطع نظر کرده ام و از کرده خویش پشیمان شدم- زنهار زنهار ازین نامه آن ندانند که غالب کژاندیشه گدائیست ابرام پیشه' بلکه این مشتمل بر سوالیست که جواب آن میخواهم هکذا اگرچه از خلائق کمترین و مردی گوشه نشینم لیکن مرا نیز در فرقه بی نوایان و زمره بی سر و پایان آبروی داده اند- گدایم اما از گدایان بارگاه و روشناس شاهم- اگر در مدح اورنگ آرای دهلی گهر سفته ام منشور رافتی بمن داده است و اگر گورنر جنرل

را ستوده ام خوشنودی نامه ها بمن فرستاده' چنانکه یک توقیع ابوظفر سراج الدین بهادر بادشاه و یک مکتوب انگریزی جمس طامس گورنر اکبر آباد پیش خودم هست- هرچند ملاطفات این فرمان روایان سلطان نشان که بنام من رسیده بسیار است' اما ازان همه آن نامه ها را ذکر کرده ام که در خصوص رسیدن قصیده و اظهار رضامندی و ابراز مهربانی است- آه از نواب عالیجناب که تحسین را به تحسین تلافی ننمود و نامه بپاسخ عرضداشت ننوشت- حاشا که از نارسیدن صله و عطیه و جایزه نالم- آری از نارسیدن نامه ملولم و ملال من درینمقام بیجانیست و باوجود اینکه ملولم گله نمی سنجم- اینکه گفتم حکایت است نه شکایت و مقصود ازین حکایت آنست که درین روزها دیوان فارسی من که کم[1] و بیش هفت هزار بیت دارد منطبع می شود و غالب که در عرض دو ماه بپایان رسد- قرار داده ام که یک جلد بسبیل بدیه بوالا خدمت- نیز خواهم فرستاد تا چون مجموعه نثر دارند سفینه نظم نیز داشته باشند- من آن می خواهم که چون نواب مرا وقعی ننهاد و ستایشم را به شگفتگی نپذیرفت' من هم بی حوصلگی کنم و این قصیده را خط کشم و در دیوان ننویسم و چون نواب نام مرا در دفتر خویش نپسندیدند من نام نامیش را بدیوان خود نپسندم- حضرت اندرین باب چه میفرمایند- چشمداشت آنکه زود نه دیر بجواب این سوال شاد و ازبند تفرقه آزاد کنند- بیش از یک هفته در انتظار جواب نپسندند زیرا که نوبت انطباع دیوان زود است که تا این قصیده نامقبول برسد- هیهات که خون جگر خوردن من رایگان رفت- چرا سودای

---

1 اغلاط نامے کے مطابق "کمابیش" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "کم و بیش" ہے-

ستایش این بزرگوارم در سر افتاد- نه جائزه دام و درمی که آن را بهای گوهر سخن توانم دانست و نه صله لطف و کرمی که خود را بدان شکیبا توانم کرد- در عنوان نامه گفته ام و بپایان ورق باز گویم که بنده خودم انگارند و از خودم خوشدل شناسند و گفتار مرا از روی انصاف در نظر سنجند و از من نرنجند جواب این نامه زود رقم فرمایند والسلام مع الاکرام از اسد اللہ نگاشته یکم ربیع الاول سنه ۱۲۶۱ هجری-

ایضا:۴

داغم ز سوز غم که خجل داردم ز خلق
بوئی که تن ز سوختن استخوان دهد

سبحان اللہ عمریست که قبله را در کعبه با حجر الاسود ببوسه گستاخ میسنجم و گوش بر صدا دارم که کی شنوم که از کعبه بر گشتند عیاذاً باللہ از سفر حجاز باز آمدند- برب کعبه تا وقتیکه طالع یار خان را ندیده و ازیشان نشنیده ام که خان عالی شان بوطن رفته بودند و پس از هفت ماه باز آمدند و حالیا نه باجمیر بلکه به ٹونک جا دارند همان می دانستم که گفتم- باری هم بشنیدن آگهی اندوختم و هم برسیدن نامه رخ شادی افروختم- بسکه لب تشنه ذوق همزبانیم پیداست[۱] که چون دو تن از هم دور باشند جز بزبان خامه باهم حرف نتوانند زد- تا نامهٔ نامی کواندم به نامه نگاری نشستم- نامه مینویسم و دانم که تا این نگارش کران نپذیرد نیاسایم- لیکن هر دم این اندیشه جان میگزد که حضرت در ٹونک اند و سید ارشاد حسین خان بسفر- نامه که نوشته می شود کجا فرستاده آید- اندیشیده ام[۲] که هم ازطالع یارخان پرسم و نامه برهنمائی این مرد راه دان فرستم- آنکه

---

۱ اغلاط نامے کے مطابق "وپیداست" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "پیداست" ہے-
۲ اغلاط نامے کے مطابق "این اندیشیده ام" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "اندیشیده ام" ہے-

نوازش کرده اند و از سرگذشت پرسیده اند بشنوند- شحنه عدو بود و مجسٹریٹ بامن ناآشنا؛ فتنه در کمین بود و بخت نارسا؛ مجسٹریٹ با آنکه شحنه را فرمان روا بستی؛ در خستن من شحنه را فرمان برد و توقیع گرفتاری من نوشت و ششن جج با آنکه بامن دوستی داشت پیوسته بامن مهر ورز و مهربان بود و بارها در بزم می بهم پیمود؛ چشم پوشید و به تغافل زد- داوری بصدر بردند- هیچکس نشنید و همان فرمان بیداد بجا ماند- ندانم چه روی داد که چون همه میعاد سپری شد؛ میجسٹریٹ را دل بهم بر آمد و خود از صدر نسخ حکم خویش و رستگاری من خواست؛ خواهش وی پذیرفتند- بلکه او را بدین خواهش ثنا گفتند- گویند بسکه نکویان قوم آن خیره سر یعنی میجسٹریٹ بیدادگر را ملامت کردند و پایه آزادی و خاکساری مرا در نظرش جلوه دادند بدین رنگ که رهائی من از خویش خواست عذر خواست و دگر هم پوزشها و دلجوئی ها کرد و من خود ازان رو که هر صفت و هر فعل و هر امر را از کردگار می نگرم و ستیزه با کردگار روا نبود- از آنچه رفت آزادم و بدانچه رفت شادم اما چون آرزو منافی آئین بندگی نیست (شعر)

عشق است و صد هزار تمنا مرا چه جرم
گر خواهشی کند دل شیدا مرا چه جرم

خواهم سپس در جهان نباشم و اگر باشم در هندوستان نه باشم؛ روم است و مصر است و ایران است و بغداد است؛ وگرنه خود کعبه پناه آزادگان و سنگ آستانه رحمته اللعالمین تکیه گاه دلدادگان بس است- کی بود آیا که ازبند فروماندگی که خود ازان بند که رفت روان فرسا تر است برون جهم و منزلی در نظر نیاورده سر بصحرا نهم! آنست آنچه بر ما رفت و اینست آنچه میخواهم- والسلام

ایضاً ۵:

یارب این فردوسی نسیم که مشام جان را بغالیه اندود ناگه از کجا وزید- پیش ازین جنبش خامه در پرده ساز نگارش نامه این نوا داشت که آهنگ حجاز دارند- باری آن نشد و قبله بکعبه نرفتند- سپس از روی تحریر گرامی برادر سید ارشاد حسین خان رودادن بیماری هولناک آشکار شد- چون در پرسش خون گرمی بکار رفت پدید آمد که یزدان توانا آن بلا را بگرداند و رنج و بیم نماند- درین هنگام طالع یار خان از ٹونک آمدند، گفتند که حضرت بوطن رفتند و هنگام رفتن گفته اند که دیر خواهم آمد- بالجمله درین روزگار که مخدوم را در خیر آباد و ستوده برادر را بکوه آبو گمان کردمی و بدل اندیشیدی که خیر آباد خود جاده ڈاک انگریزی ندارد و اگر نامه بآبو فرستم، جز آنکه نام کوه نبشته باشم نشانی دیگر نیز باید و آنرا نمی دانم- روزی بود فرخ و دل افروز که سرهنگ نیز گام ڈاک از در درآمد و نامه که از دارالخیر اجمیر بال روانی کشوده بو دارمغان من کرد- هم دل سودا زده آرام یافت و هم خار بن تفرقه از بیخ و[1] بن بر کنده شد- نازم بدین سخن سازی که مینویسند خواسته بودیم از دهلی باجمیر رویم- اینقدر نمی سگالند که شنونده خواهد گفت چرا این راه نسپردند و نیامدن را جز نیامدن تفسیری و تاویلی نیست- آفرین بر روان خسرو دهلی که چه خوش می سراید ع-

پس از آنکه من نمانم بچه کار خواهی آمد

لختی از حال شهر و دیار مینویسم- روداد من نیز درین سوز و ساز در نظر خواهد گذشت- والا برادر فرخ اختر محمد ضیاء الدین خان بهادر چنانکه در هر سال میرود دو هفته میگذرد که بشمله رفت- دلربا

---

[1] طبع دوئم میں یہ لفظ "بن" چھپا ہے۔

برادر علی بخش خان بهادر ترک ماند و بود شهر کرد و در عرب سرا که آبادچه ایست در جوار مقبره حضرت سلطان المشائخ اقامت ورزید- امین الدین خان خود از بیگانگانست- این دو تن که بامن همدمی داشتند جای ایشان خالیست- همدرین گوشه نشینی که آئین منست خسرو کیخسرو فر که جاودان ماناد بپایه سریر عرش نظیرم خواند و خلعت و خطاب ارزانی داشت و به نگاشتن آثار جهانبانی نیاگان خویش گماشت- بدل گفتم که هان غالب آشفته سر ناموس سخن گستری نگاهدار و هر چند افسانه سرائی نه شیوه آزادگان است زبان پیغاره بر خود دراز مگردان- مبدا فیاض بهره از خواهش افزونتر بخشید و حمد و نعت مدح سلطان و خطاب زمین بوس و سبب تالیف و حالات صاحبقران امیرتیمور نامور و حضرت ظهیرالدین بابر و حضرت نصیرالدین همایون بروشے که دست فرسود پیشینیان هست نبشته آمد- این مجموع هشت جزو کاغذ است که مرقع تصویر پریزادگان معنی است- حالیا وقایع سلطنت پنجاه و یک ساله خاقان اکبر می باید نوشت- تاچه روی دهد و خامه در کفم چون جنبد- برادر روشن گهر سید ارشاد حسین خان سلام خوانند و ازان راه که من آن نامه را که در تهنیت خطاب رقم فرموده بودند پاسخ نگزاردم شرمسارم دانند- در آن روزها دیوانگی بران داشته بود که در شب و روز یکدم از نگارش راز و سگالش هنجار سخن نیاسودی همگی همت به ترتیب کتاب که عبارت از حمد و نعت مدح است آویخته بود والسلام بالوف الاحترام-

ایضاً: [1] ۵-(۶)

روان پرور صاحبا از آنجا که در گذرگاه تنگ این هر دو جمازه بهم میرود، مارا که [2] راهرو این جاده ایم، نیز در نامه سخنی از شادی و غم می رود و شادی خود ازین فزونتر چه خواهد بود که پس از چهارده سال تیره شب من از ماه چهارده فروغ پذیرفت۔ گوئی نگارنده جام جم خود از زبان من گفت: (شعر)

اوحدی شصت سال سختی دید
تا شبی روی نیک بختی دید

دانسته باشند که ازین گفتن چه می خواهم، ہمانا نه یک دریا بلکه هفت دریای جهان علم و هنر نه یک اختر بلکه هفت اختر سپهر فضل و کمال، نه هفت [3] دریا نه هفت اختر، از هرچه گویم به روانی بیش و به روشنی بیشتر [4] مولانا بالفضل اولینا مولوی حافظ محمد فضل حق المخاطب به امیرالدوله بهادر [5] را به بدهلی گزار افتاد و غالب حق پرست را علی الرغم معتزله و اشاعره همدرین گیتی رویت حق روی داد۔ پندارم تجلی حق بصورت برق بود که خواجه بیش از دوهفته در شهر نیارمید۔ فردا که سه شنبه سوم ربیع الثانی است برامپور همیرود۔ غم که در سر آغاز نامه نشان داده ام جزین نیست که عم، داشتم که از دو عمه دیگر و سه عم نامور و یک پدر و یک جده و یک نیا یادگار بلکه مرا بجای [6] آن هشت بزرگوار بود از جهان رفت و از رفتنش بر من آن رفت که بر جگر از دشنه نرود و بر خس از آتش۔ امروز

---

۱ یہ نمبر شمار ۶ ہونا چاہئے۔ طبع دویم میں ۶ ہی ہے۔
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "رہرو" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "راہرو" ہے۔
۳ اغلاط نامہ کے مطابق "نہ ہفت دریا و نہ ہفت اختر" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں ایسا نہیں ہے۔
۴ اغلاط نامہ کے مطابق "مولانا" کے بعد "و" بھی ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں۔
۵ اغلاط نامہ کے مطابق "را" کے بعد "بہ" زائد ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں ایسا ہی ہے۔
۶ اغلاط نامہ کے مطابق "ایں" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "آں" ہے۔

چاشتگاه بامولینا هم انجمن و هم سخن بودم- مولوی شاه محمد نامی که منش نمی شناختم و چون پس از رفتن وی از مولینا پژوهش خواهد رفت، خوابم دانست که کیست، بسخن در آمد و گفت به ٹونک می روم- گفتم نامه ازمن می توان برد- گفت د ستم برعنان است و پایم در رکاب- گفتم خوش باشد- سلامی بوی سپردم بو که برساند- نامه دوست جانی بابو بانکے لال طال بقاه از دوره فرمان روائی راجستان خبرداد- غالب که خواجه را نیز جاده پیمائی آزار دهد و این نامه که شاه محمد برد من ندانم کی رسد و کجا رسد- هم از شاه محمد پدید آمد که گرامی برادر میر ارشاد حسین و سعادت اثر میر احمد حسین طال عمره بشما پیوستند و یا زود پیوندند- فرخی دیدار برادر و پسر بشما ارزانی و این فرخی را فر فراوانی باد- من نیز از دور به برادر سلام و به برادر زادگان دعا میفرستم- مخدوم زادگان فتح پور مطلب خود را از من جواب میجویند تا بپژوهندگان چه گویم نامه که پیش ازین خواجه را از نظر گنشت اندیشه های ضمیر مرا فهرستی است کافی، دیگر چه سرایم و السلام مع الاکرام اسد اللہ، دوم ربیع الثانی و دوم جنوری سنه ۱۸۵۴ء

ایضاً[1]: ۷

ای بفروغ فرهنگ و فرخی خو که فره ایزدی است پیش از آنکه دیده روشناس دیدار گردد دل از من برده و ای به فرتاب دل نشینی روش و فرجام روان بخشی ادا درین خامشی زبانم را بگفتار و کلکم را برفتار آورده ! ازرسیدن این دلنواز نامه که ناگاه بمن رسیده بروائی توقیع قبول خویش فرا رسیدم- همانا خواهش پاسخ نامه از جانب دوست بدانم فریفت که یک روز نگارش راز آئینی دارم که فرزانگان

---

1 طبع دویم میں اس کا نمبر شمار ٦ ہے جو کہ ٧ ہونا چاہیے۔

دیده ور آنرا پسندند- فروتنی پیشکش' پیش ازین هم در گزارش سخن دستی و در نگارش نکته دستگاهی بود- کاش اندوهی که بر دلم نهاده اند گران نبودی تا همیدون خامه بدستان سنجی همان جاده توانستمی پیمود- هیهات این کلک خرامندئه رقاص که تا بروائی روش ورزش نوا نشاط اندوختی کبک دری را خرامش و مرغ سحری را رامش آموختی درین رنجوری ناتوانی که بمن روی آورده' آنچنان از پویه فروماند و بدانسان صدا گم کرد که اگر گاهی دو سه سطر نبشته شود' پنداری خامه خود نیست' همان سخن است که بعصاره میرود- روان خواجه نظیری شاد' گوئی از زبان من گفته است:

نه باگلم نظری نی بصوتم آهنگی   شکسته بالم و صیاد در کمین دارم

سلامی که برادر خجسته گهر میزار علی بخش خان بهادر فرستاده اند بدان ستوده خوی رسانده آمد- سلام را بسلام پاسخ میگزارد و آرزوی دیدار عرضه میدارد و سرور دیده و دل غلام فخرالدین خان خود اینجا نیست- جستجوی روزی به قلمرو پنجابش برده- پریروز نامه از وی رسیده است' سپاس یاوری بخت میگزارد و در ناحیت قصور که قطعئه هم ازان کشور است کار سرشته داری عدالت فوجداری میکند- به همایون خدمت چشم و چراغ دوده مردمی سید ارشاد حسین صاحب سلام میرسانم و باخویشتن در جنگم که چون خود این نامه روان میداشتم چرا ورقی جداگانه بنام نامی مخدوم ننگاشتم- آری همان فروماندگی که در سر آغاز این نگارش از جفای آن سخن رانده ام عذر خواه است و بس- از اسد الله-

☆..☆..☆

خطوط بنام منشی هر گوپال تفته

مشفق من لاله هر گوپال تفته از جانب اسدالله از خود رفته بعد سلام این زحمت در پذیرند که خاطر از چند روز جویای دیوان محمد حسین نظیری و جمال الدین عرفی است و چنان مسموع شده که این هر دو نسخه آن کرم فرما دارند' [1]لاجرم خواهش آنست که هر دو نسخه یعنی دیوان نظیری و [2]عرفی همین دم به نامه سپار بسپارند و اگر احیاناً ایعوقت ارسال آن مجموعه ها اتفاق نیفتد فردا بامدادان که نزد من آیند با خود آورند و بنده را درین خواهش مبرم شناسند- زیاده زیاده-

ایضاً: ۲

والا جاها خاقانی دستگاها' نثر و نظمی که فرستاده بودند دیده را روشنی افزود- دیوان شما کسوت انطباع در بر کرد و طراز انجام یافت- اکنون آنچه میگویند چه خواهند کرد مگر نقشی دیگر انگیزند و طرح دیوان ثانی ریزند- بحیرتم که ملول چرائید کدام حلقه دام است که آهنگ گسستن آن دارند خدمتی نیست' زحمتی نیست' صحبتی هست' عشرتی هست- چنانکه خواهند باشند از صبح تا شام و از شام تا بام سخن سگالند و غزل گویند و می خورند و آزاد زیند- لکهنئو را مرده شو برد- خوشامد گفتن آئین من نیست' راست میگویم که در لکهنئو چون خودی نه خواهند یافت- غزلیات را دیدم و پسندیدم و هر جا آنچه بخاطر گذشت رقم زدم- امید که بپسندند و بدان

---

۱ طبع دوئم میں یہ "لاجرم" چھپا ہے-
۲ "عرفی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "عرفی" چھپا ہے-

دل بنند- فصلی که از التفات و تفقد آن محیط فضل و کرم که بابو جانی بانکے لال اسم سامی اوست نگاشته اند' برمن درپرده مهرستمی بزرگ روا داشته اند- هی ای تفته جان من و جان تو' اینهمه یار فروشیها و سخت کوشیهای تست- هر چند من ازان گروهم که در داد و ستد محابا ندارم' نه درستدن حیا ورزم و نه در دادن منت نهم' اما تو خود بگوی که در پذیر فتن مزد خدمتهای ناکرده شرمسار چون نباشم- همچون کسیکه در آب فرو رفته باشد و نفس نتواند زد و سخن نتواند کرد' من نیز در جوش عرق شرم مجال سخن گفتن ندارم- کاش بابو صاحب این شیوه با من نورزند و بدانچه رفت بس کنند- درین پنجاه و پنج سال اینچنین معامله باکسم نیفتاده است و اینگونه منت های پی در پی ازکس نپذیرفته ام- دیروز که پنجشنبه ۲۳ اکتوبر بود نامه شما با نامه بابو صاحب رسید- یک شبانروز اشعار شما را نگرستم و امروز که آدینه بست و چارم است پاسخ نبشتم فردا که شنبه ۲۵ ماه است یا پس فردا که ۲۶ خواهد بود به ڈاک[1] خواهم داشت و جواب آن نامه دیگر که شما از روانی آن خبر داده اید پس ازان فرستاده خواهد شد که از بهرتپور یا از آگره نامه بمن خواهند فرستاد- دیگر چه گویم که "گفتنی بیش ازین نیست- از اسد الله نگاشته جمعه ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۱ء

ایضاً: ۳

مخلص نوازا[2] دیر است که از روی نگارش منشی نبی بخش طال بقاوه روی آوردن شما به اکبر آباد و گرمی هنگامه انطباع دیوان و نام آوری شما به پیش دستی وکیل راجه شاه نشان مهاراجه بلونت سنگه

---

۱ اغلاط نامے کے مطابق ڈاک کے بعد "رواں" بھی ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۲ طبع دوئم میں یہ "گفتی" چھپا ہے-

بهادر دریافته چشم براه آن داشتم که این حکایت بزبان خامه شما شنوده آید- پریروز سرهنگ ڈاک آمد و شادی افزا نامه آورد- انجام پذیرفتن انطباع سفینه اشعار برما و شما خجسته و همایون باد- همانا شما را از یاد رفت که در هنگام تماشای دیوان شما گفته ام که میرزا عبدالقادر بیدل چون دیوان غزلیات ساز داده است طرح آن ریخته است که در هر زمین دو غزل انشا کند و آن هر دو غزل را که در یک ردیف و قافیه باشد[1] غزل دیگر اززمین دیگر درمیان داده بر صفحه نقش زند و از بای بسم الله تا تای تمت هم بدین هنجار ره سپرده است- چه خوش باشد که دیوان شما نیز همین روش داشته باشد- گوئی همان شد که ما خواسته بودیم- گفتار شما را رونق افزود و ما را مسرت- دیگر این علاقه را که بیخواست بهم داده است گرامی دانند و منافی آزادگی و قلندری نشمارند[2] و خلوت درانجمن و غربت دروطن شیوه را هروانست- چون من نیز به نوکری شاه تن در داده[3] فرمان سرانجام خدمت پذیرفته ام' خودرا به نوکری راجه پیرو من پندارند و بدین تتبع خوشنود باشند- فرزانه فرخ گهر فرخنده خصال جانی بانکے لال را بخانه جوزف جارج که دوست دیرین من است دیده ام و هم در صحبت نخستین روشناسی به مهرورزی انجامیده هنوز آن روی زیبا و خوی خوش و گفتار نغز از یادم نه رفته است- بدین تفقد که باشما ورزیده اند' و قدر شما شناخته اند مرا منت پذیر و سپاس گزار خویشتن ساخته اند' ازان رو که برهمن اند و دانشور و من بزرگزادگان هر گروه و فرزانگان هر قوم را دوست دارم' از جانب من لفظی که ترجمه آن پالگن تواند بود عرضه دارند- والا برادر ستوده خوی شیوا شیوه منشی نبی بخش که یزدان یاورش باد

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "غزلی" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "غزل" ہے-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "و" زائد ہے جبکہ "و" دونوں طباعتوں میں موجود ہے-
۳ اغلاط نامہ کے مطابق "داده" کے بعد "و" بھی ہے جو دونوں طباعتوں میں موجود نہیں-

هنگامی که به مرسان میرفت بمن از رفتن خود خبر داده است و از مرسان بمیانجیگری گرامی پور خویشتن منشی عبدالطیف نامه فرستاده است، چنانکه دیروز پاسخ آن نگاشته ایم و به علی گڑه نزد منشی عبدالطیف طال عمره روان داشته ایم این روشن گهر گرامی دودمان حکیم وارث علی خان که ذکر وی تقریباً بر زبان کلک گهر فشان شما[1] رفت با شما گویم که کیست۔ غالب آواره بی نام و نشان را بمنزله حقیقی برادر است و باجان برابر بلکه از جان گرامی عزیز تر۔ از یک استاد فیض اندوخته ایم و دریک دبستان دانش آموخته۔ اگر هزار سال گزرد و بهم نه پیوندیم و به نامه و پیام همدگر را یادنه کنیم بیگانگی فراموش خواهد بود و دل از مهر همچنان به جوش۔ آرزو دارم که این نامه را بوی نمایند و از من سلام گویند تاچه فرماید۔ هان ای تفته نظیری نظر فغانی نوا درین روزها والا جاه نواب محمد حسن خان بهادر که جنریل صاحب گفته میشوند بسبیل ڈاک درین شهر آمده اند و چون بدیدن حضرت پیر و مرشد میان کالیصاحب دامت برکاته تشریف آورده اند مرا نیز به دیدار خود شادمان کرده اند و با من از شما سخن رانده و شما را بسخن وری ستوده اند۔ از آنجا که به چهاونی فرود آمده بودند و راه دور بود و من رنجور دیدار آن فرخ تبار جز دو بار روزی نه شد و حسرت همسخنی و هم انجمنی در دل ماند۔ والسلام از اسدالله نگاشته یکشنبه ۱۷ نومبر[2] ۱۸۵۰ء۔

ایضاً:۴

خامه دو زبان که با اسد الله همزبان است هم از زبان آن دردمند بدینگونه حرف میزند که چون مهر بیش از بیش است و گله کم از کم، هر آئینه آن خوشتر که سخن در مدعا رودو آنچه بگفتن ارزد نبشته ۔

---

۱ طبع دوئم میں "شما" نہیں ہے۔
۲ اغلاط نامے کے مطابق "نوامبر" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں نومبر ہے۔

شود- درین هنگام که ابر قطره فشان است و باد لاابالی پوی و مرا در شب و روز جز آشامیدن باده کار دیگر نیست، سه تا نامه شما پی هم رسید- نخستین نگارش را پاسخ ساز داده به آگره روان داشتم چنانکه در سفینه ڈاک نشان نمودار است و آن دوشنبه روز است بست و دوم مارچ، بو[1] که ملا زمان بابو صاحب آنرانگه دارند و چون شما را دریابند بشما سپارند- سومین نامه که حرز جان نامه نگار و اگر این اشارت را در نیابی گویم که نامه گرامی برادر فرخنده آثار در نورد آن بود دل را از جا برانگیخت و کلک شگافته سر را به فرو ریختن رازهای نهان گماشت- باری آگهی میتوان اندوخت و سواد نامه مرا از راه مردمک چشم به سویدای دل فرود میتوان آورد- "بیش از بیش" و "کم از کم" نه آنچنانست که تا در کلام جامی و اسیر ننگریم مسلم نداریم- گفتاریست پسندیده و سخنی است دلاویز بلکه اگر بیشتر از بیش[2] کمتر از کم نبشته باشیم بر خود خندیده باشیم- ما را سخن در آنست که در محل[3] جواز تسویه یا بمقام منع تسویه "کمتر" میتوان نبشت نه "کم"-[4] جامی تسویه منظور ندارد بلکه میفرماید "کم از صد غم" یعنی نود و نه نبود- آری درینجا که این عبارت هندی را خواهیم که فارسی کنیم مثلا چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کم[5] هی، باید که بدین سان نویسیم روشنی ماه از فروغ مهر کم تراست،[6] چشم ما از رخنه دیوار کمتر نیست، قس علی هذا جمع الجمع را نپسندیم و درین محل به گفتار صائب دل نبندیم- ما را به تهذیب خویش کار

---

۱ طبع دوم میں "بو کہ" نہیں چھپا ہے-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "و کمتر از کم" درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۳ طبع دوم میں "محل" کے بعد "جای" بھی چھپ گیا ہے جو زائد ہے-
۴ طبع دوم میں "جامی" چھپنے سے رہ گیا ہے-
۵ دونوں طباعتوں میں مرتب نے اردو کے لفظ "ہے" کو بھی یائے معروف ی سے لکھا ہے-
۶ طبع دوم میں "و چشم" ہے اغلاط نامے کے مطابق "و" درست نہیں-

است نه به عیب جوئی بزرگان- "حور" جمع حور است و لغت عربیست پارسیان "حوران" به الف و نون آورند' اما نه آنست که جمع الجمع درمیان آید بلکه این فرزانگان "حور" را مفرد قرار داده اند و اساس جمع بر الف و نون نهاده اند- ما نیز بر اثر ایشان میرویم و اینچنین میگوئیم- همانا برین شیوه اجماع امم دیده ایم- در لفظ غریب پیروی نتوان کرد- مطلع که زندگانی ها و جانفشانی ها قافیه داشت' اگر چه از صفحه سترده ایم' اما مطلعی دیگر در برابر آن نبشته ایم که روح ظهوری را راحت افزاید-

رایگان است ، زندگانی ها
میتوان کرد جانفشانی ها
کس چه نازد به جان فشانی ها

از هر دو مصرع هر کدام که بپسندند مصرع ثانی قرار دهند و بر سگالش مطلع دیگر دل ننهند و "بیش از بیش" و "کم از کم" و محل بایست "کم" و "کمتر" را نیک بفهمند و ورق در نوردند- صحت و سلامت و سکون و حرکت شفیقی مکرمی بابو صاحب والا قدر بنویسند و باز آمدن خویش از اندیشه های ناروا خاطر نشان من کنند- بعد رحلت کالیصاحب در و دیوار آن کاشانه با من نساخت- در کوچه بلیماران نشیمنی برگزیده ام' امید که نعش مرا هم از در این کلبه بیرون آورند- نگاشته صبح چارشنبه' بست و چارم مارچ ۱۸۵۲ء از اسد الله نامه سیاه-

ایضاً:۵

هان و هان تا از هم دوریم و به نامه طرح گفتگو میریزیم اگر گاهی پاسخ نامه از سوی من دیر رسد بر مرگ من محول نگردد' چه آن زمزمه را

آهنگی خواهد بود که همه را بگوش خورد و نیز گمان رنجوری بر من نرود که من از سستی تن فرسوده نشوم و از کار باز نمانم- دانش آنست که چون این روی دهد' آن سنجند که غالب را کار افتاده است- آه ازین عید که بر من از محرم ناخوشتر گذشت- دو روز پیش از آنکه بشام ماه نو بینند و بامداد عید کنند' شاه را منش برگشت و تپی سوزنده و اسهالی هولناک عارض شد- تا کجا گویم که درمیانه چها رفت- تاامروز که دهم شوال و هجدهم جولائی است بیم و امید را همان آویزه و هواخواهان را همچنان روان فرسائی است- گرمی از رگ بیرون نمی رود و شکم نمی بندد- هر روز صبح به قلعه همی روم- گاهی نان از خانه شاهزادگان به دریوزه میخورم و شامگاه به غمکده می آیم و روزی که هنگام نیمروز نان به کاشانه میخورم پایان روز باز میروم' تا امروز کاروبار این است' فردا ندانم چه پیش آید- اشعار شما نه سرسری بلکه به دیده وری نگرسته باز میفرستم پریروز نامه دوست جانی که جاودان در کامرانی باد از سر منزل سروهی رسید- بر بارگی ڈاک سوار است و به بهرتپور همیرود- بمن مینویسد که سود من ازین رهروی دیدار تفته و همنشینی اوست- این روشنگهر شما را بدین اندازه دوست دارد که اگر من از اهل دنیا بودمی آتش رشک سراپای مرا سوختی یارب جاودان ماناد و بر شما از هر چه گویم مهربان تر باد- خشم ها فرو خورید و رنجها بر کنار نهید- آبرو چه چیز است که بپای دوست و آنگه این چنین دوست نتوان افشاند- بلبل به سودای گل از سرزنش خار باک ندارد و پروانه در هوای شمع از سوختن نهراسد- عاشقی که رقیب نداشته باشد نانش بی نمک است و شرابش بی کیف- دیگر جز این که از عمر و دولت برخوردار باشند چگویم- از اسد الله نگاشته نیمروز دو شنبه دهم شوال هژدهم جولائی-

ایضاً ٦:

جان من، نامہ شما کہ بنام منشی هر گوبند سنگھ بود بر ندہ سوی مکتوب الیہ برد و باز آورد همانا سوی گنگ روی آوردہ بودند- دو سه روز نگاہ داشتہ باز فرستادہ شد، چنانکہ رسید- نشگفت کہ آن سعادت نشان گمهی یافتہ باشند- گرهی در دل داشتم تا بر پای رہ پیمای شما چه میرفتہ باشد- سرو روان شما آزادانہ کی خرامد- نامہ شما کہ این بار رسید گرهی دیگر بر آن افزود کہ آنرا جز شما دیگری نتواند کشود- یارب این چه نبشتہ اند.کہ اگر فلانی شیوہ خود بر میگرداند پیش وی میروند ورنہ از غالب مصلحت میپرسند- اکنون باید کہ زود نہ دیر نامہ دیگر سوی من روان دارند و از رهروی پای و آرامش و خرامش آنمایہ کہ از بهر دانستن بس باشد برنگارند و سر آن رشتہ درهم فروپیچیدہ کہ مرا در آزار دارد بر من بکشایند زنهار درنگ نورزند و هر چه هست زود بنویسند- دیگر شما را از آنچہ هنوز بر شما آشکار نیست خبر میدهیم[1]- بر صریر خامہ گوش دارید تا این بیزبان چه سراید- یکی از دوستان یکرنگ از جے پور بمن نوشت کہ راجہ جوان دولت جوان سال گفتار ترا هرچہ از روی اخبار سلطانی بوی رسیدہ است عزیز میدارد و ترا میخواهد- بدل گفتم از من کہ درین باب از دوستان و بیگانگان مضائقہ نمی کنم با والی جے پور چرا دریغ رود- نخست بہ بابو صاحب نگاشتم کہ میخواهم دیوان ریختہ با یک عرضداشت شوقیہ ارمغان راجہ سلطان نشان کردن- چون مرجع مرزبانان راجستان یکیست یعنی اجمیر لاجرم آشنائیها میانہ هم شگفت نیست- اگر وکیل ریاست جے پور را بر آن می توانید آورد

---

1 اغلاط نامہ کے مطابق "میدہم" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "میدہیم" ہے-

که ارمغان مرا به پیشگاه مهاراجه رساند' من آنجزوی با ورقی که نامه نام دارد بشمافرستم- چون بابو صاحب پذیر فتند' آن نسخه را بلوح و جدول و جلد چنان که به پیشکش ارزد آراستم اگر نه درین هفته در هفته آینده به سبیل ڈاک اجمیر به نظرگاه بابو صاحب میفرستم قصیده نه سروده ام' همین کتابیست و نامه عمر و دولت از شمار افزون باد- اسد الله-

ایضاً:۷

اگر جان بیوفا نبودی' گفتمی که جان من و اگر در دهر آبروی داشتمی گفتمی که آبروی من- چون ازینها هیچ نتوانگفت ناچار میگویم که هان ای تفته راز داری بمن میاموز' من خود اندرین شیوه همتا ندارم- چه خوش میسراید آن نو آئین صفیر مرزا جلال اسیر- شعر-

امانت دار رازم عالمی را
بقدر بیزبانی هوش دارم

پری روز که آدینه هفدهم دسمبر بود دیوان ریخته با عرضداشت موسومه راجه سلطان نشان در اجمیر بخدمت بابو صاحب روان داشته شد' تا کی رسد و پس از رسیدن چه روی دهد- در آرایش آن اوراق تنگدلی نکرده ام و مشت زری بصرف آورده هم کتاب زرنگار است و هم جزودان نظر فریب- چون بابو صاحب از سر آغاز بشما آگهی داده اند شما نیز پرسش کنید' تا بشماچه نویسند- یارب پای شما به رفتار آمده و فرجام فروماندگی برخاسته باشد- ما را به آگهی میتوان نواخت والسلام از اسد الله نگاشته صبح یکشنبه ۱۹ دسمبر ۱۸۵۲ء-

ایضاً ۸:

جان من، اوراق اشعار با نامه که مهر سر دفتر میرزایان بپایان داشت رسید- من از بیداد تموز در آزار و خامه بتقریب تهنیت عید در مدح شاه گرم رفتار- اگر در اصلاح درنگ رود خشم نگیرند نامه را پس از نگرستن بسوی شما بر میگردانم- دوباره عطیه جانی جی سخن جز اینقدر نیست که اگر توانند دران کوشند که پیش از عید بمن رسیده باشد مصرع-

پس ازان که عید نبود به چه کار خواهد آمد

نگاشته جمعه نوزدهم رمضان ۱۲۸۰ھ-

ایضاً ۹:

صاحب من، هر دو نامه پی هم رسید- از آنمیان نامه دومین اینوقت برات ورود آورد- نهان مماناد که امروز سه شنبه چهارم جنوری آغاز سال نو عیسوی است ساعتی بر نیم روز گذشته باشد که سر هنگ ڈاک آمد و نامه شما و نامه بابو صاحب آورد- بند غم گسست و آرامش صورت بست- همین قدر میخواستم که رسیدن پارسل بدانم- نامه شما از ورقیکه در نورد داشت دلم را بهم برزد این ستوده خوی باشما مهری می ورزد که اینمایه مردمی در بنی آدم نتوان یافت تا خود این جوانمرد ازروشنان سپهراست یا از سروشان ایزدی بارگاه- اگر بجای شما من بودمی، درین دریغ نداشتمی، در آبرو مضائقه نکردمی تا جان چه ارج داشته باشد- ورق را پس از خواندن در ورقی ساده فرو میپیچم و این رقعه را

درمیان می نہم و عنوآن بنام شما میطرازم و سوی شما میفرستم- امید که از شما نسبت بان آزاده مردان بکار رود که حق محبت بگردن شما نماند والسلام- از اسد اللہ-

ایضاً: ۱۰

فرزانه مهرورز آزرم گستر را که خریدار کالای ناروای منند نادانم اگر ندانم که دیرینه آشنای منند- شناسا گری میرزا تفته نه آنچنان است که شناساوری پیکر نبندد و دلها از دو سوی باهم نپیوندد- نو آئین نگارشی که دستنبوی نام آورد در گیرنده به گزارش پانزده ماهه جاور است رسیده باشد یا خواهد رسید- این نامه خرده جان و ریزه روان منست- هرچه در خوبی این خواهند افزود' سپاس بی اندازه بر من خواهد بود- من خود از خوبی همین سپیدی و درخشانی کاغذ و روشنائی و مشک سائی سیاهی و بر نگشتن سخن از هنجار و دگرگون نگردیدن گفتار میدانم و دگر هیچ' تا آن والا پایه چه دانند و نغزی این نگارش را بکدام پایه رسانند- امید که چنان شود که اگر به لندن رود پرگار کشایان و هنرمندان فرنگ این را به شایستگی ستایند که هر آئنه کام من و نام شما ست- دیر زیستن و شاد زیستن ارزانی باد- از غالب' یکشنبه بست و نهم اگست ۱۸۵۸ ع -

ایضاً: ۱۱

غالب از خود رفته به تفته سلام میفرستد- رند والا جاه بالغ نظر بمن بنشت که نامه بنام راول شیو سنگھ می باید نگاشت- بدل گفتم آیا

چه نویسم و مطلوب چه باشد مهر خطابی در نامه فروپیچیدم و سوی دوست روان داشتم تا آنچه خواهد بنویسد و مهر زند و کار را روائی و نامه را روانی دهد- همدرین هفته نامه از آنسوی رسید و رسیدن نگین مهر پدید آمد- هنوز پاسخ آن نگارش رقم نزده ام و در بند آنم که چون مهر بکار آرند و بسوی من بر گردانند و از آغاز کار خبر دهند پاسخ طراز گردم- مینوشتند که جواب نامه های من از کول دیر میرسد و نگران میباشم- از اسدالله نگاشته ۲۷ جنوری سنه ۱۸۵۳ ع-

☆..☆..☆

خط بنام جانی بانکے لال وکیل راج بھرتپور

یزدان که دریا آفرید و نقش موج از آب انگیخت داند که بر این دل نام قطره خون چه بیداد می رود- یگانه بینان بر آنند و من نیز بر آنم که قطره عین دریا است، امّا نه آنست که روانی دریا با قطره اشتلم نکند، در صورت گرداب بر خویشتن چون نه پیچد و در پیکر حباب نفس چون نبازد- با اینهمه از داد نتوان گذشت- دریا را در آن روانی که دارد به آزار قطره گرایش نیست- همیرود تا چه شود- خوش گفت آنکه گفت- شعر

دریا بوجود خویش موجی دارد

خس پندارد که این کشاکش با اوست

سخن های مهر انگیز که از صریر خامه بگوش هوش خورده اندوه از دل بدر برد- نامه خستگی جگر را پنبه مرهم آمد و سواد نامه شکستگی دل را مومیائی ارزانی داشت- مرگ را چه چاره توان جست و از پس مرده تاکی خون گریست- من خود از آن می نالم که آزاد نمیتوانم زیست- پندارم آفرینش مرا صورت آنست که گناهگاری را بند گران بر پا[1] نهاده اند و به زندان فرستاده- من کجا و بند و پیوند و غم زن و فرزند کجا، چنانکه در غزلی میسرایم- شعر

به بند زحمت فرزند و زن چه میکشیم

ازین نخواسته غمهای ناگوار چه حظ

آئین تسلیم نه آنست که اگر سیلی از دست دوست خورند گره بر ابرو

---

[1] اغلاط نامہ کے مطابق "پای" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "پا" ہے۔

فگنند یا اگر بمثل سنگ بارد سر دزدند- یزدان را سپاس که اگرچه غم بسیار داده است لیکن دوستان غمخوار داده است- یارب این گرانمایگان که با چون منی که به هیچ نیرزم مهر می وررند کیانند اینان[1] را از کدام گوهر آفریده از روی این نگارش که پاسخ آن مینگارم پدید آمد که در عرض یکماه به کوه آبو میروند- کاش دهلی در راه بودی تا دولت بیدار گاه گاه بما رو نمودی- روزگار آرامش شمله و منصوری و آبو نزدیک است که سر آید و فرزانگان فرنگ ازین نشیمن ها فرود آیند و روزی چند به جایگاه خویش اسوده بهنجار دوره ره پیمائی از سر گیرند- ازین گزارش کام آنست که شما را چه تموز و چه زمستان اغلب اوقات عمر گرامی در سفر میگذرد اگر گاهی ناگاهی ازین سو گزرند گناهی نخواهد بود- از فراوانی ذوق همزبانی است که زبان از خامه وام میگیرم و سخن می سرایم ورنه اینها که گفتم خرد سنجد که ضرورتی نداشت- اندیشه چون راه سخن کشوده یافت، آنچه از آز و آرزوی دیدار در دل فراهم آمده بود، نگاه نتوانست داشت و بیتابانه برون ریخت- نگارش را بدعا[2] انجام همیدهم، بهار گلشن هستی جاودان و بهارستان عز و ناز بی خزان باد اسد الله-

☆..☆..☆

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "وایناں" ہونا چاہیے جبکہ دونوں طباعتوں میں صرف "اینان" ہے-
۲ طبع دوئم میں "وانجام" چھپا ہے جبکہ "و" زائد ہے-

بنام میر احمد حسین المتخلص به میکش

(۱)

برخوادار[1] اقبال نشان میر احمد حسین از اسد اللہ دعاء خوانند و به یقین دانند که از جانب شما سخت نگرانی داشتم- هر گاه که سعادت و اقبال نشان میر مہدی نزد من می آمدند به همزبانی یکدگر گفتگوی شما میرفت- پیشتر از شما میرنجیدم که از رامپور چرا خط نتوشتند باری امروز که سه شنبه ۱۳ شوال است چاشتگاه میر مہدی صاحب آمدند و نامه شما بمن دادند در رامپور بمشاهره بست روپیه قناعت نگر[2] دن و از آنجا به بریلی رسیدن و در آنجا به بستر رنجوری افتادن و بعد آشامیدن داروهای مسہل از مرض نجات یافتن و حالیا آماده سفر لکھنو بودن همه حالی شد- یزدان نگہبان شما باد- بعد یک هفته نامه دیگر به اعتقاد الدوله نوروز علیخان بہادر نوشته خواهد شد' خاطر جمع دارند اما خاطر نشین شما باشد که اعتقاد الدوله گوشه نشین محض است باشاه و مقربان بارگاه صحبتی نه دارد- بحیرتم که چه میتواند کرد و کدام کار را سر انجام میتواند داد- نظر بر خدا دارند- هان در عالم اسباب از قطب الدوله بالا تر ذریعه نیست- اگر تقدیر موافق تدبیر خواهد بود کار از وی خواهد کشود- بالجمله از جانب من در نگارش کوته قلمی بمیان نخواهد آمد- والسلام نگاشته ۱۳ شوال' روز سه شنبه وقت چاشت- خواجه غلام معین الدین خان یکتا سلام میرسانند-

---

۱ دونوں طباعتوں میں "برخوادار" ہی چھپا ہے-
۲. طبع دوم میں "نکردن" ہے-

ایضاً: ۲

عزیز تر از جان سعادت نشان میر احمد حسین سلمه اللہ تعالیٰ از اسد اللہ سلام خوانند و در یاد خود دانند۔ دلکشا نامه رسید و شادمان کرد۔ باری در آغاز سفر بجای رسیده اند۔ نواب صاحب همتی عالی دارند و قدر شرفا نگاه میدارند۔ امروز ذات ایشان از مغتنمات است۔ صلاح ما همین است که ترک رفاقت نوابصاحب نکنند و رفاقت این امیر بی نظیر را یاوری بخت و قسمت انگارند و هوای سفر های دور و دراز از سر برون کرده بهر مواجب و مشاهره که نواب صاحب از راه عنایت مقرر کنند قناعت نمایند و همواره نویسان حالات خود باشند۔ زیاده جز دعا چه نگارش رود۔ نگاشته پنجشنبه ۲۹ جون ۱۸۴۸ع اسد اللہ۔

ایضاً: ۳

نور دیدئه غالب طال عمره۔ کار بپایان رسید۔ حوصله را کار باید فرمود و به بد روشیهای این قوم رنجه نباید شد۔ مهر بیگم صاحب بر حاشیه کاغذ ثبت کرده میفرستم۔ چنانکه آئین است مختار نامه بنام نامی میر تفضل حسین خان صاحب بباید نبشت و زر از خزانه چنانکه رسم است باید گرفت و به فیض علی پس از شمردن باید سپرد۔ اسد اللہ۔

ایضاً: ۴

اقبالنشانا! نامه مسرت که درشمار سومین بود رسید۔ رقعه موسومه ناظر جی فرستاده شد۔ نخستین نامه را هنوز پاسخ نفرستاده

اند- درین باره گناه از جانب من نیست- آنچه بسبیل خبر نگاشته شما بود خاطر غمزده را شادمان کرد و آنچه بمن بطریق احکام مرقوم بود بفهم من نیامد و دل سودا زده را الختی پراگنده ساخت- دیوان فارسی من از دهلی تا مدراس و حیدر آباد و از لاهور تا هرات و شیراز رسیده- قصیده مدح شاه جنت آرامگاه دران مندرج است و عالمی آنرا نگرسته- این ننگ بر خود کی روا دارم که آنرا بنام دیگری نامور کنم- سیم و زر و لعل و گهر نیست که دستم بدان نرسد' سخن است و از مبدا فیاض گنج در گنج بمن عطاشده- خاطر جمع دارند و همین که جواب نامه شاه صاحب بمن رسید' قصیده تازه و قطعه تازه را نزد خود رسیده پندارند' اما شرط آنست که خلاف بمن ننویسند و آنچه من گویم همچنان بعمل آرند- فی الحال کار اینست که عرضداشت موسومه شاهصاحب را بشاهصاحب رسانده طرح آن افگنند که شاهصاحب آن رابه نوابصاحب نموده و عبارت آنرا خاطر نشان اوشان ساخته اجازت فرستادن قصیده گیرند تا من آن قصیده را بشما فرستم و دل خوش دارند که قطعه مدح نواب نیز با آن خواهد بود- سعی دران نباید کرد که شاه مرا سوی خود خواند- همه تن در آن باید کوشید که صله حاصل گردد- سپس اگر شاه طلبگار من خواهد بود' زری دیگر از بهر زاد راه خواهد فرستاد' ورنه من در صورتی که بار گران قرض بر من نبود گوشه و توشه' که دارم بر آن قانعم- مجمل مرا درین چنین موقع مفصل می انگاشته باشند و انشاء الله باخدا پیمان بسته ام که جز راست نگویم- راستی همین است که نوشتم جاه و دستگاه نموداری و خود آرائی نمیخواهم' راحتی و فراغتی مطلوب منست و بس و

حصول آن راحت و فراغت در ادای قرض منحصر [1]است و ادای قرض در آنقدر که من صله خویش از شاه اود می سنجم متصور، الله بس ما سوا هوس-

ایضاً ۵:

دل و جان من فدای تو باد- نامه رسید و حالها حالی شد- روز دو شنبه ۱۳ نوامبر سنه ۱۸۴۸ع هنڈوی بست و یک روپیه و دوازده آنه فرستاده ام- غالب که رسیده باشد- نامه بوساطت مظفرالدوله سوی نوروز علیخان بهادر روان داشته و در باره شما سخنی چند نگاشته ام- فی الحال نامه بنام قطب الدوله که قطعه مشتمل بر بست و هفت بیت نیز در نورد آن است میفرستم- ازاین که نامه کشاده عنوان نیست ملول نشوند- شیوهٔ من از مردم دنیا جداست- هم در نظم و هم درنثراز [2]بهر شما آنها نوشته ام که من دانم و خدای من باری این نامه را ببرند و به قطب الدوله دهند و عرض کنند که فلانی همچنین عنوان بسته فرستاده است- چون در حضور شما کشاده شود و خوانده شود بشنوند و بنگرند که چه سحر بیانی کرده ام و چه نوشته ام- بخدمت شاه صاحب بندگی رسانند و عرضه دارند که فرمان بجای آورده ام و نامه و قطعه به قطب الدوله فرستاده ام، حالیا مدد از شما میخواهم و بس- جواب از قطب الدوله حاصل کرده زود ارسال دارند تا قصیده مدحیه شاه فرستاده شود- اسد الله-

ایضاً ۶:

سعادت نشانا! نامه شما رسد و رسیدن نامه و قطعه بنظر گاه

---

۱ طبع دوئم میں "است" نہیں چھپا ہے-
۲ طبع دوئم میں "ازمرشما" چھپا ہے جو درست نہیں ہے-

مرجع خاطر نشان من شده- حالیا چنانکه آن اقبال آثار نبشته اند چشم براه آن نامه دارم که در نورد آن بجواب نامه من باشد از جانب مرجع- از سرانجام ابیات قصیده خاطر فراهم دارند که دران کار درنگ روی نخواهد داد' اما چنانکه پیش ازین نوشته ام می باید نوشت که اورنگ نشین حال چون اسلاف خویش تا چهل روز ماتم میگیرد یا همان سیزده روز- دیگر دل میخواست که آنچه وقت خوانده شدن نامه و قطعه در آن انجمن روی داده و بر زبان مرجع و ندیمانش گذشته باشد می نوشتند- افسوس که ننوشتند بلکه خود از جانب خود نیز ننوشتند و داد نگارش من ندادند که در نظم و نثر یعنی هم در قطعه و هم در نامه ذکر شما بچه عنوان نبشته ام- بهر حال امروز که آدینه چارم محرم است مخدومی و مولائی سید اکبر علی بدیدن من آمده بودند- گفتند که فردا کتابتی به فلانی میفرستم- من نیز این دو سه سطر نگاشته به سید ستوده خوی سپردم تا در نورد نامه خود فرو پیچند و بشما فرستند والسلام- اسد الله-

ایضاً: ۷

جانا فرهنگ دانا روزهاست که نامه بما رسیده و ما پاسخ هنوز ننوشته ایم- چه نویسیم که کار بپایان رسیده و گفتنی و نوشتنی نمانده- یزدان بر عمر و دولت شما فزاید- کار را سره کردید' بجای[1] رسیدید و رساندید که می بایست' اما باقضا ستیزه نتوان کرد- پادشاه مجنون و سلطنت درهم' کارها تباه' شما چه کنید و قطب الدوله چه کند' اگر ولیعهد نمیمرد نیز کار بهنجار نبود-کس قصیده پیش دیوانه چون برد و با وی چه گوید که این

[1] طبع دوم میں "رسیدند" چھپا ہے جو درست نہیں۔

چیست گرفتم که اینهم شد و قصیده در نظرش در آوردند و خواندن آغاز کردند- خندید و سر جنباند و کاغذ از دست خواننده گرفت و بدندان خائید و بر زمین انداخت، یا شنید و بکاری دیگر روی آورد و در خصوص مدعای سایل حرفی نه زد- بالفرض والتسلیم پس از شنیدن قصیده از آنجا که للجنون فنون مثلی است حکیمانه بفرستادن خلعتی یا بخشیدن هزار اشرفی فرمان داد، فرمانش که میبرد و خلعت که میفرستد و زر که می بخشد و کار[1] پردازن سلطنت بحکم دیوانه زر چرا دهند و خلعت چون فرستند- اگر شاه مجنون است و زیر خود دیوانه نیست- بالجمله این همه دانسته ام و از نیرنگ قضا بخود فرومانده- هر چند آن عزیز بدان نظر که دل شکسته و[2] غمگین نگردم نوید امیدواری میدهند و آنچه واقع است نهان میدانند اما اینچنین راز های بزرگ کی نهان میماند- چون آفتاب نیمروز روشن است که شاه اود مجنون محض است- وزیر به کجدار و مریز روزگار بسرمی برد- مدعا از تحریر این سطور آن که ازین علاقه قطع نظر کرده ام و هرگز هیچ گونه شائبه توقع باقی نمانده[3] است- از بهر شما اندیشه ناکم و نیز از بهر قطب الدوله غمگینم و هیچ نمی دانم که پایان صحبت چه خواهد بود- اکنون از امیدواری و ناامیدی من یکسو شده حال سلطان و ماجرای سلطنت و آنچه بر قطب الدوله و دیگر ندمای شاه[4] مرود و آنچه درحق خود اندیشیده[5] باشیدراست راست بی کم و کاست بمن نویسید- من خود بموجب این مصرع-

گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب

---

۱ دونوں طباعتوں میں "کارپردازن" ہی چھپا ہے-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق "غمین" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "غمگین" چھپا ہے-
۳ اغلاط نامہ کے مطابق "است" زائد ہے جبکہ یہ دونوں طباعتوں میں موجود ہے-
۴ طبع دویم میں "میرود" چھپا ہے جو درست ہے-
۵ طبع دویم میں "اندیشیدہ اید" چھپا ہے جو درست نہیں-

بخت خود را آزمودم و خود این سومین نوبت است- نخستین بار نصیر الدین حیدر مدح شنید و زربخشید' روشن الدوله و منشی محمد حسن پاک خوردند و پشیزی بمن نرسید- دومین بار امجد علی شاه مرا بد ندیمی پذیرفت و فرمان داد که پنجهزار بنام صله و پنجهزار به طریق زاد راه همگی ده هزار روپیه فرستاده شود و فلانی درینجا طلبیده شود- هنوز این حکم امضا نه پذیرفته بود که سرطان بر آورد و دو هفته صاحب فراش ماند و بمرد- این بار خود آنچه روی داد شما نیک می دانید انا لله و انا الیه راجعون- عرضی ظفری بیگم نگاشته کلک میرمهدی که میر امام الدین بمن داده است در نورد این ورق میرسد' بخوانند و بدانند امرائو بیگم زوجه بادشاه میر امام الدین را جواب داد' بیچاره فرومانده [1]کشاکش روزگار است و پرورش دختر بروی دشوار والدعا از اسد الله نوشته پنجشنبه پنجم جولائی مطابق سیزدهم شعبان جواب طلب

ایضاً:۸

اقبالنشانا' بحساب متعارفه رسمیه روزها و بشمارنگرانی خاطر من سالها گذشته که نامه شما نرسیده- روز سه شنبه بست و سوم جنوری بود که پارسل کتاب تاریخ یمینی بعد ادای محصول در ڈاک روان داشته ام- تاامروز که یک شنبه چهارم فروری است از رسیدنش خبر نه یافته ام- مدت سیزده روز اندک نیست که رسیدن کتاب از دهلی به لکهنو و و رسیدن نامه از لکهنو به دهلی درین مایه مدت صورت نتواند گرفت- ثانیاً بشما نوشته بودم که حال حامد علیخان باید نبشت- اینجا در باره آن بیچاره سخنها میرود- یزدان از بندوزندانش

---

[1] طبع دویم میں "کشایش" ہے جو درست نہیں۔

نگه دارد- اینها بمه یک طرف، آوازه رنجوری شاه اود نه آنچنان بلند است که خود را از اضطراب نگه توانم داشت- خاصه وقتی که شما نیز نوشته باشید که شاه بیمار است- [1]درین صورت چون از هر سو شنوم که بیمار است چرا مضطرب نشوم- با این همه منشا فراوانی قلق و اضطراب نه رسیدن نامه شما است که در پیچ و تابم افگنده است- نخست از جانب شما که مباد بیمار شده باشید، سپس از جانب شاه که مباد چنانکه مشهور است، رنجوریش دراز کشیده باشد بعد ازینها در باب کتاب نیز اندیشه دارم که مباد نرسیده باشد- از بهر خدا این چه روش است- دستوری داده ام که نامه بیرنگ می فرستاده باشید- از شما جز یک فرد کاغذ چه میرود- می سنجم که شاه بیمار است و کارها درهم و شما را از فرط محبت دل نمیخواهد که خبر ناامیدی بمن نویسید- هی هی نمیدانید که بلا بهتر از بیم بلاست- جانا من غمزده محروم ازلم و به نا امیدی خوی کرده ام، از فوت مطلوب آنقدر غمین نمی شوم که کار من بهلاک انجامد- زنهار محابا نکنند و هرچه روی داده باشد اگر خوش است و اگر ناخوش بنویسند و زود نویسند و پر زود نویسند- حال خود و رسیدن کتاب و حال شاه و حال حامد علیخان- از حال شما مقصود آنست که چون خیریت شما دریابم، دل از تفرقه وا رهد و شکیبائی روی دهد- از کتاب آن میخواهم که اگر رسیده است فهو المراد، ورنه از مهتمم ڈاک که آشنا است بازپرس بمیان آرم و حال شاه از بهر آن می پرسم که فرا رسم که بخت من در چه کار است و از حال حامد علی خان محض اطلاع مطلوب است که علم شی به از جهل شی والدعا، از اسد الله مرسله یکشنبه چارم فروری سنه ۱۸۴۹ ع- جواب طلب

---

[1] طبع دوئم میں "دربن" چھپا ہے جو درست نہیں-

ایضاً":۹

نامه شما رسید و رنجوری شاه دل گدا را بدرد آورد- یارب به عطیه صحتش بنواز و کار من از وی به سامان ساز- آنچه در باره میر امام الدین نوشته بودند' مسلم که چنین باشد اما برب کعبه که درین دوبار که نزد من آمده هر گز شما را ناسزا نگفته' همانا دانسته باشد که من بد شما نمیتوانم شنود- تاریخ یمینی عجالته" بهرقیمت که دست بهم داد خریده در مومین جامه پیچیده بعد ادای محصول بشما فرستاده ام- از تصرف کار پردازان عمله پرمت شاهی محفوظ باد- بی تکلف از جانب خود به خدمت راجه امداد علیخان بهادر پیشکش کنند و نام من نبرند- راجه مرا چه داند که من کیستم' بیهده از من بز وی سپاس چرا نهند' ممنون خودش سازند که ناموری شما بلند نامی منست و بس- به استماع رنجوری شاه از قصیده دلسرد شده ام تا دیگر چه روی دهد و انجام کار چه باشد- بخت بد مرا به سعی و کوشش نکو نتوان کرد- من طالع بد خود را نیک می شناسم و پنجاه و سه سالست که تماشائی ناخجستگیهای اینم- یزدان در عمر و دولت شما بیفزاید و نتیجه سعی شما را بروزگار من عاید گرداند- پنج آهنگ نوشنه میشود- چون تمام نوشته میشود آن نیز همچنان فرستاده میشود- مخفی نماند که من این تاریخ یمینی و پنج آهنگ بشما میدهم' راجه و منشی را نشناسم خود بهر رنگ بهر که خواهید و مناسب دانید بدهید- خبررسیدن کتاب و غسل صحت شاه و حال قصیده زود میباید نوشت و این نیزمیباید نوشت که باوجود این همه مهربانی های نواب از چه راه است که تا امروز بهر شما کاری و خدمتی معین نشده' عمر به بیکاری میگذرد- صرف از کجا میکنید و نان از کجا میخورید و درمستقبل

امیدواری چیست- دیگر حال حامد علیخان مفصل میباید نوشت و نیز احوال شاه سمن خان پسر علی محمد خان رساله دار که در لکهنئو رسیده از منتسبان رضی الدوله است در یافته رقم میتوان کرد والدعا از اسد الله نگاشته روز یکشنبه[1] ۲۵ صفر ۱۲۴۵ هجری مطابق ۲۱ جنوری سنه ۱۸۲۹ ع- فردا که دو شنبه بست و ششم صفر و بست و دوم جنوری است به ڈاک فرستاده خواهد شد انشاالله العزیز العظیم-

ایضاً: ۱۰

صاحب من' دلنواز نامه رسید و اندرز های سودمند دلنشین شد نامه بنام نامی نواب مظفر الدوله بهادر میرسد و رقعه معین الدوله یعنی حسین مرزا که موسومه من است نیز با آن نامه میفرستم- نشان مسکن مظفر الدوله از روی آن رقعه خاطر نشان خویش کنند و بجویند و چون بیابند نامه سپرده کتاب بستانند و به شیخصاحب رسانند و هرگاه شیخصاحب باز دهند بسبیل ڈاک سوی من روان دارند- نامه نامی نواب مسرت فزای خاطر غمناک شد- آغاز خوش است- یارب انجام نیز خوش باد- آهنگ گفتن قصیده دارم و گفتن آغاز کرده ام- از سه روز آتش تب در نهاد من زده اند و این کشاکش از فکر باز داشته- بهر تقدیر آخر این ماه یا اول صفر قصیده بر کاغذ منهب و مطلا بخدمت شما خواهد رسید- فکر قطعه نیز دارم- اگر

---

1 اغلاط نامہ کے طبع دویم کے مطابق ۱۲۶۵ھ درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں ۱۲۴۵ھ ہی چھپا ہے-

خدا میخواهد' بعد از انجام پذیرفتن فکر قصیده فکر آنهم میکنم' خاطر جمع دارند' نامه موسومه ناظر جی فرستاده شد- همان روز خود آمدند و خط نواب از من خواستند- گفتم از کجا دانستید که نواب نامه بمن فرستاده است- گفتند از روی نگارش میکش- باری آن نامه پیش ایشان نهادم' خواندند و باز بمن دادند- حالیا آرایش قلمدان منست- پدید آمد که شاه جی التفات کمتر میکنند- باری از درویشان دعا کافیست خود[1] کار کود را به نیروی [2]دانش خدا داد سرانجام دهند و از خدا امید وار باشند- هرچند تا بستم صفر رسم عزاداری شایع است' اما باشد که همدرین مدت سررشته بچنگ آید' ورنه اگر حیات باقیست بستم صفر نیز دور نیست- آرزو مند آن ماندم که دانستمی مرجع به لطف سخن وارسید [3]قطعه را که سوای مدح فصلی ازگزارش مدعا نیزداشت بکدام زبان ستود- حیف که سخن فهم در عالم نیست- پشیمانم که به نوروز علیخان خط چرا نوشتم- من خود میدانستم که جواب چه خواهد بود' لیکن بپاس خاطر شما نوشتم-

شعر

خدا گر بحکمت ببندد دری
گشاید به [4]بخشایش خود دری (کذا)

[5]بنگرند تا خواهش الهی چیست- امید که کامیابی شما روی دبد و یزدان شما را بپا یه بلند رساند والدعا' از اسد الله نگاشته شنبه ۱۲ محرم الحرام سنه ۱۲۶۵ هجری-

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "کارخودرا" درست ہے لیکن طبع دویم میں "کار" سے پہلے "خود" نہیں ہے-
۲ طبع دویم میں "دانش دانش" ہے- درست "دانش" ہے-
۳ اغلاط نامہ کے مطابق "وقطعہ را" درست ہے-
۴ طبع دویم میں نجائش چھپا ہے جبکہ درست بخشائش ہے-
۵ طبع دویم میں "بنگرند" چھپا ہے- اغلاط نامہ کے مطابق نگرند' درست ہے جو محل نظر ہے-

ایضاً":

با آنکه هیچ مطلب ممکن روا نشد
دل خوش نمیکنیم مگر از محال ها

از روزی که لکهنو آرامشگاه شما است و خود از روی نگارش های شما پدید آمده که شما را با قطب الدوله که از ندیمان خاص سلطان است قربی و انسی دست بهم داده است در دل میسنجیدم و میگفتم که

ع

باشد که همین بیضه بر آرد پر و بال

سخن کوتاه هوسهای رنگ رنگ داشتم و یقین من بود که میر احمد حسین که بمنزله فرزند منست و سیمای سعادت دارد عجب نیست که قطب الدوله را بران آورد که ذکر من با شاه اود کند و منشور طلب از پیشگاه خسروی بمن فرستند تا من به لکهنو رسم و شاه را دریابم' روزگار ناکامی سر آید اما نازم به بخت و قسمت خویشتن که آن هنگامه خیال برهم خورد و آن همه امیدواری به یاس مبدل شد و چگونه چنین نبود که اقبال نشان میر مهدی نامه موسومه خود که نگاشته شما بود بمن نمودند- یاالله تا آن نامه را دیده ام از خود رمیده ام و بفکر های دور و دراز افتاده ام- آخر این چه خواهد بود که شما را ناکام از لکهنو میباید رفت- برای خدا دل غمزده صبر و قرار بهم زده را چاره گر شو و ترا بخدای توانا و ارواح ائمه اطهار علیهم السلام حال خود راست راست بمن بنویس- آنچه در نامه میر مهدی نوشته سراسر خلاف آنست که در اندیشه داشتم و در تصور میگذشت و عجب که گاهی بمن ازین حالات ننوشتی- اکنون هم بجان تو سوگند که تا نامه دیگر از تو بنام من نرسد و حال ترا سربسر ندانم که چیست دلم آرام نگیرد- لله زود باش و نامه بسوی من روان دار و حال خود موی بموی

بر نگار- ع

ای بسا آرزو که خاک شده

دیگر جز اظهار حزن و ملال و طلب تفصیل حال چه نویسد- اسد اللّه نامه سیاه-

ایضاً ۱۲:

جانا سعادت نشانا لفظ و معنی نامه نبشتن هنوز در دیده و دل جا داشت که نامهٔ دیگر رسید- از آنجا که اندران نامه که پیش ازین رسیده است نوشته بودند که تا من نامه دیگر نفرستم پاسخ نباید نبشت- اکنون که دستوری پاسخ نگاشتن رسید مینویسم نهان مماناد که حرون لفظ عربی و املای آن به حای حطی است- اگر در قصیده بهای هوز رقم گشته است' گنه از جانب کاتب است' نه از جانب من- هر آئینه باید که باصلاح این لفظ کوشند لعب هم بحرکت کسری عین جائز است و هم بسکون عین روا' کذا فی الصراح- آرمیدن شما بسایه دیوار مشفقی قطب الدوله بهادر هم بر شما مبارک باد و هم بر من- زنهار ازین جوانمرد صاحبدل دوری نگزینند و دولت هم ازین در جویند- آنکه اینمایه غمخواری میکند شما را ضایع نخواهد گذاشت- نامه میر مهدی به میر مهدی و نامه میر امام الدین به میر امام الدین رسانده شد- من خود امروز این نامه بشما انشاء میکنم و نگاه میدارم اگر نامه از آن هر دو تن بمن میرسد هم در نورد این ورق میفرستم' ورنه فردا تنها همین ورق را به ڈاک روان میدارم- خبرهای ناخوش از شاه اوده سامعه گزا بود- جاودان مانید که دلم را به جای آوردید- برخاستن فرجام رنجوری و تهیه غسل صحت بتعین روز پنجشنبه که یارب همچنین باد نوشتید' لیکن آن ننوشتید که دل نیرو پذیرد و خاطر بامید گراید

جشن غسل صحت از بهر گذشتن قصیده مدح پاکیزه تقریبی است۔ چه خوش باشد که این نامه که من امروز مینویسم و فردا روان خواهد شد بشما نرسیده باشد که قصیده من به شاه بلکه عطیه شاه بمن رسیده باشد۔ لله در من قال۔

جهان بیمهر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو های ثنائی خنده میاید

میخواستم نامه بنام نامی قطب الدوله بهادر نوشتن و بشما فرستادن و از شما آن خواستن که این را به نوابصاحب دهید و بر این نامه بنای گفتگو نهید' لیکن اندیشیدم که این فضولیست۔ شما خود وقت کار در نظر دارید و غافل نیستید و نوابصاحب در بذل [1]تفقد مضایقه نمیفرمایند۔

کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

باری اگر مناسب دانند سلام من به نوابصاحب رسانند' بلکه اگر توانند و جایابند این نامه را بنظر گاه شان گذارند۔ آنچه از مهربانی و مهرورزی مشفقی منشی [2]محمد یحییٰ علیخاں نسبت بخویشتن رقم کرده اند' محبت آن فرخنده گهر در دلم جا کرد۔ آنکه شما را چون من عزیز دارد' من چون عزیزش ندارم۔ شفقتی که بر شما میکنند منتی است که بر من مینهند۔ هم از نوشته شما پدید آمد که یحییٰ تخلص میکنند و سخن میگویند۔ سلام من بایشان و کلام ایشان بمن باید رساند۔ از اسد الله' نوشته سه شنبه ۱۰ ربیع الاول ۶ مارچ جواب طلب۔ چون دیروز تا شام بلکه تا اینوقت که چهار شنبه صبحدم است خطی از هیچ جانب

---

۱ طبع دوئم میں "بذل و تفقد" ہے اور غلط نامہ کے مطابق "بذل تفقد" درست ہے جو محل نظر ہے۔
۲ طبع دوئم میں "محمد" نہیں ہے جو درست نہیں۔

نرسید من این خط را روان میکنم و شما طلاع میدهم که اکنون از غم روزگار ستوه آمده ام زنهار درنگ نکنند و قطب الدوله را بر آن آورند که هم در بزم جشن غسل صحت کارم سر نجام دهند و شما را خود آن باید که جواب این نامه زود نویسید- چهار شنبه یازدهم ربیع الثانی و هفتم مارچ روانه کرده شد-

ایضاً: ۱۳

سعادت نشان ما بشنوید و مضمونهای این مکتوب را بضمیر فرا گیرید بلکه خود این مکتوب را نزد خود نگه دارید تا آنچه از دل رفته باشد باز به نگرستن ورق یاد آورید- نخست بن سخن گفته میشود که نامه شما رسیده بود' رقعه که بنام ناظر صاحب بود به ناظر صاحب فرستاده شد- مولوی اکرام الدین از جهان رفتند و جهان جهان حسرت با خود بردند- تا اینجا انچه نوشته ام برای اطلاع محض است' ورنه این حکایت ها بکار نیاید- اکنون گوش هوش بمن دارید که سخنهای سودمند میگویم- جان من قصیده میرسد' خود بخوانند و به نوابصاحب رسانند و در آن کوشند که بنظر شاه گذرد و صله حاصل شود- یقین دارم که از حسن سعی شما و عنایت نوابصاحب تا شاه خواهد رسید- باز چه خواهدشد؟ مردم میگویند که لامحاله حکم عطای صله' اگر صادر خواهد شد بنام وزیر صادر خواهد شد و بی وزیر کار از پیش نخواهد رفت- درینصورت می اندیشم که کار برهم خواهد شد- چارئه این کار همین قدر میباید کرد که این وسوسه را بر

نوابصاحب ظاہر باید کرد و از طرف من باید گفت که فلانی میگوید
که من گدای یک درم و جز قطب الدوله دیگری را نمیشناسم' لاجرم
قطب الدوله را باید که مرا محتاج دیگری نگذارند و قصیده را خود
پیش کنند و صلهٔ[1] خود بستانند و خود بمن رسانند- چون این نقش
درست نشیند و حاجت بوزیر نیفتد و محض بمهربانی نواب قطب
الدوله چنانکه گفته ام مقصود حاصل شود' چون آن مقصود زر است
خود بیندیشند که زر از لکهنو بمن چگونه خواهند فرستاد' مگر
بسبیل ہنڈوی خواهند فرستاد' شهر بیگانه و مردم شهر عیار پیشه و
شما را با ساهوکاران شهر شناسائی نه- مبادا قباحتی روی دهد- ناچار
داروی این درد آنست که چون حکم عطای زر حاصل شود' بخدمت
نوابصاحب عرضه دارند که من مسافرم و طریق حصول ہنڈوی
نمیدانم- حضرت کدام ساهوکار معتمد و متوسل خود را بحضور خود
طلبیده زر بوی دهند و ہنڈوی از وی نویسانده در نامه خود ملفوف
ساخته هم بمن عنایت کنند تا من آن نامه رابه اسد اللّه خان ارسال دارم'
اما اینجا یک سخن باقیست یعنی آنچه برای شما قرار داده ام' چگونه
بشما دهم و این امر حواله رضای شماست- من میخواهم که از پنجهزار
روپیه پانصد روپیه بشما دهم- اگر رضای شما باشد همدرینجا بگیرند
و اگر رضای شما در آن نبود که این معنی بر قطب الدوله ظاهر شود
بنویسید تا بعد از رسیدن مجموع از ہنڈوی پانصد روپیه از ینجا
بشما فرستم- درصورت اول خطی مهری جداگانه بشما ارسال دارم و
شما آن خط موسومه خود را بنظر نوابصاحب در آورده پانصد روپیه

---

1 طبع دویم میں "خود" چھپنے سے رہ گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

نزد خود دارید و هنڈوی چار هزار و پانصد روپیه چنانکه نوشته ام از نوابصاحب گرفته سوی من روان کنید و بشما میگویم که اگر صلاح شما این خواهد بود' من در خط شما این نخواهم نوشت که پانصد روپیه بشما دادم- این خواهم نوشت که پانصد روپیه را. فلان فلان جنس خریده از عقب ارسال خواهند داشت- جواب این سوال زود باید نوشت و بس' اما وسوسه دیگر از همه جان سوزتر است یعنی من در شهر قرضدارم و ڈگری داران هستند اگر خبر خواهند یافت ڈگری ها پیش کرده به حکم عدالت زر از من خواهند برد و سعی من و شما رایگان خواهد رفت و این زخم را به دو مرهم حاجت است یکی اینکه هنڈوی بنام من نباشد صرف شاه جوگ باشد دوم آنکه آن سعادت آثار چنانکه اطلاع فرستادن خط قطب الدوله به دوستان خود نگاشته بودند اینخبر را به هیچ کس ننویسند و چنان کنند که جز من و شما دیگری نداند که چه شد و کار به کجا انجامید سبحان الله سبحان الله-

جهان بیمهر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو های ثنائی خنده می آید

جان من دیروز که دو شنبه ۲۲ دسمبر و روز عید نصارا بود این ورق را تا بیت نوشته در صندوقچه نگهداشته بودم- امروز که سه شنبه ۲۳ دسمبر است بر تخت ها که زیر دیوار گسترده اند در آفتاب نشسته بودم که ناگاه آن کودک که گاه گاه همپای شما نزد من می آمد ازدر در آمد و گفت که پدرم بر در استاده است و بار می طلبد- گفتم مانع کیست بیایند- رفت و باخود آورد چون نشستند پرسیدم اسم سریف؟ گفتند میر امام الدین- گفتم چگونه قدم رنجه فرمودید؟ گفتند پرسش حال میر احمد حسین دارم- گفتم که میر احمد حسین ازینجا به رامپور و از

آنجا به بریلی رسید و در آنجا رنجور شد- دیگر از وی خبر ندارم که چه شد و کجا رفت و حالیاً کجاست بلکه از مرگ و خیاتش بیخبرم- گفت شنیده ام به لکهنئو رسیده و در آنجا زن کرده و زنی مالدار که دو صد و پنجاه روپیه ماهانه از سرکار شاه اود می یابد بعقد نکاح در آورده- گفتم واللّه باللّه ثم تاللّه ازین واقعه هیچ خبرم نیست و سوگند من حق بود که این خرافات نشنوده بودم- باری از بهر فریب دادن آن مرد ساده گفتم که اگر احمد حسین به لکهنئو ریسده بودی چه امکان داشت که بمن ننوشتی، چه جای آنکه به لکهنئو رسید و زن کرد و صیدی فربه گرفت و مرا خبر نه کرد- بیچاره دو دل فروماند و ندانست که حق چیست سپس ازوی پرسیدم که ظفری بیگم خوش است- گفت خوش است و ایستادن و بپای خود ره رفتن می تواند و میگوید که پدرم راست گوی هست و شما همه دروغ گوی- مرا مِهر بجنبید- یک قوتی انگور و چهار رنگتره و یک انار ولایتی بدان کودک دادم و گفتم این به ظفری بیگم دهی و خواهر خود را از من دعا رسانی- گرفت و رفت و پدرش نیز با وی رفت- من با خود وعده دارم که اگر دستم رسد بجائی، صدی با ظفری بیگم و مادرش فرستم و گویم که تا از شوی تو خبری رسد بدین زر خوشنود باش- نامه بپایان رسید و سودای دل همچنان جوش میزند ناچار نوشته را مکرر مینویسم که این همه اندیشه های من استوار است و هیچک وسوسه بیجا نیست- باری بعد رسیدن این قصیده فکر های بجا کنید و اطراف و جوانب کار ها را نگرید و بسنجید که چه می باید کرد- بهر مضمونی که منظور باشد بنویسید تا بدان مضمون خط بنام شما بلکه اگر حاجت باشد بنام قطب الدوله نوشته بشما ارسال دارم و نیز بعد رسیدن قصیده حال ها

بمن باید نبشت که چون نوابصاحب قصیده را دیدند چه گفتند و چون پیش شاه گذرانند شاه چه گفت۔ بالجمله این همه حال ها میباید نوشت و بعد نوشتن این حالات در باب صله انچه رای شما اقتضا کند، بمن رقم باید کرد تا به همان مضمون خط بنام شما یا بنام نوابصاحب نوشته بفرستم و آن نیز بخاطر باید داشت که بدهلی بر هیچکس ظاهر نگردد، بلکه خوشتر آنست که بمجرد رسیدن قصیده یک خط مشتمل بر رسیدن قصیده فوراً روانه کنند تا دلم بیاساید۔ و زان پس حال گذشتن آن به شاه و حقیقت صدور حکم شاه و آن که مرا چه میباید کرد و خط بنام شما یا بنام نوابصاحب می باید نوشت و بکدام مضمون میباید نوشت، همه نوشته می باید فرستاد و بهر سخنی که من نوشته ام فرا[1] رسیده و اندیشه های دقیق به کار برده، جوالی[2] که سراسر صلاح و عین صواب باشد رقم می بایدکرد۔ آغاز کار به خوبی و خوشی قرین بوده است و فی الحقیقت کاری بزرگ کرده اید۔ اگر بجای شما روح الامین را فی المثل برین کار داشتمی، خوشتر و بهتر ازین نتوانستی کرد۔ اما هوشیار و خبردار باشند که انجام نیز هم بدین خوشی و خوبی باشد که آغاز بوده است۔ مباد در انجام کار لغزش پای روی دهد یا غفلتی واقع بشود و کار ساخته شده دگرگون گردد۔ بالله آخر عمر مست و سخت درمانده و حیرانم۔ لختی بدین علاقه امیدوار شده ام و هم بر توقع شما زندگی می کنم۔ فرزندان خدمت پدر پیر بسیار کرده اند۔ اگر از حسن تردد شما این کار سرانجام خواهد یافت و صله ساه اود چنانکه جز من و شما دیگری نداند بمن خواهد رسید، گوئی ازین پس هر قدر عمر من که باقیست در سایه احسان

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق درست "وارسیدہ و فرارسیدہ" ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں صرف "فرارسیدہ" ہے۔
۲۔ طبع دوئم میں "جوابی" چھپا ہے جو درست ہے۔

احسان شما خوش خواهد گذشت- حالیا" ازین قرض که بار آن دوش فرسای منست سحت ستوهم- چو این بار گران از دوش خواهد افتاد دیگر به تنخواه انگریزی که بمن می رسد قانع خواهم بود' بنان خشک قناعت کرده اوقات زندگی مستعار بسر خواهم کرد و دیگر وام نخواهم گرفت بلکه اگر توفیق همرهی خواهد کرد و بقدر[1] زاد راه باقی خواهد ماند عزم کعبه و مدینه و نجف خواهم کرد

شعر

یارب این آرزوی من چه خوش ست
تو بدین آرزو مرا برسان

والدعا

☆..☆..☆

---

[1] طبع دویم میں صرف "زادراہ" چھپا ہے جبکہ "بقدر زادراہ" درست ہے-

نامه بنام نامی قطب الدوله بهادر

(۱)

به همایون خدمت جناب نوابصاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امیدگاه مخلصان دام بقاوه و زاد علاوه بعد اهدای هدیه سلام مسنون الاسلام و تمنای مواصلت وافرالمسرت به گزارش مدعا میگراید- روزگاری دراز سپری شده که قصیده و عرضداشت بخدمت عالی روان داشته و بهزار آرزو آن خواسته که این نظم و نثر را بنظر ربوبیت اثر حضرت قدر قدرت ظلل الهی خلد الله ملکه و سطانه گذرانند- همانا آهنگ آن داشت که چون به عطیه شاهی کامیاب گردد به عتبات عالیات روی آورد- آه از ناسازی طالع نامه نگار که هنوز رنگی از آن بهار پدیدار نیست- دست کرم حضرت شاهنشاهی ابر رحمتی است که بر خار و گل یکسان بارد- آنجا که نا[۱]خواست معدن معدن لعل و گهر می بخشند٬ محرومی سایل بعد سوال چه معنی دارد- سخن درینست که آن والا مناقب بدین درویش دلریش نپرداخته و قصیده و عرضداشت را روشناس نگاه التفات حضرت خدیو آفاق نساخته اند- وقت میگذرد٬ قافله میرود٬ همرهان بنده بسفر آماده٬ و برفتن مستعجل و من همچنان از تهیدستی و بی نوائی پا به گل- خدا را برین گوشه نشین اندوهگین ببخشایند و قصیده و عرضداشت را بحضور فیضگنجور گذرانند و هر عطیه که بدان فرمان رود بی آنکه درنگ بمیان رود بدین گدای امیدوار ارسال دارند- زیاده ازین جزدعای دوام دولت حضرت ظل سبحانی که دمادم ورد زبانست چه عرضه دارد-

---

۱ اغلاط نامہ کے مطابق "ناخواستہ" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "ناخواست" چھپا ہے-

نامه نگار هوا خواه اسد الله نگاسته روز شنبه هژدهم ذیقعده سنه ۱۲۶۵ بمطابق ششم اکتوبر سنه ۱۸۴۹ ع

ایضا: ۲

بخدمت وافرالمسرت نواب صاحب جمیل المناقب رفیع الشان امید گاه آرزو مندان دام بقاوه و زاد علاوه بعد اهدای هدیه سلام که سنت سنیه حضرت خیرالانام است' نخست سپاس آن رافت و عطوفت که بر حال برخوردار کامگار میر احمد حسین طال عمره و زاد قدره مبذول است و در حقیقت خود را موردان میدانم بجای می آرم و سپس به نگارش سطری چند که آئینه صورت نمای حال نامه نگار تواند بود مبادرت میکنم- بر ضمیر منیر که به فروغ خرد خداداد روشن است هویدا باد که این سید زاده ستوده خوی را با کمترین پیوند روحانی است- پدر والا گهرش میر کرار حسین سلمه الله تعالی از عمايد سادات والا تبار و روشناس شاه و شهریار و از جانب فرماندهان انگلیسیه مخاطب به اشراف الوکلا است- پسر را بناز و نعمت پرورده' علم و ادب آموخته و منشور وکالت عدالت از پیشگاه حکام بنام وی حاصل ساخته- این والا همت بلند اندیشه را بدان کار سر فرود نیامد و خود را ریزه خوار خوان نوال شاه سپهر بارگاه اود خلد الله ملک و سلطانه خواست- ازان رو که راز خود از من نهان نداشتی و جز به رضای من کار نکردی' آهنگ خود را با من سرود- همتش را آفرین گفتم و کامیابی وی از حق به دعا خواستم و چون خود از عهد حصرت فردوس منزل ستایش گر و زله خوار آن دولت جاوید طراز بودم' حق ستایش گزاردم و قصیده انشا کردم و بوی فرستادم-از انجا که بخت

همره بود و دولت یاور و اقبال رهنما میر احمد حسین آرزو مند ستوده را دامن آن والا جاه بچنگ آمد- ستاره چشم روشنی گفت و چرخ گردنده پوزش گزار آمد- خاطرم از تفرقه آسود و غم از دل رخت بر بست- انجام کاری که آغازش این باشد پیداست که جز فرخی و خجستگی نخواهد بود- بالجمله دو گونه آرزو گرد دل میگردد و از مدح سرائی و قصیده طرازی مقصود همین است که ابر رحمت یعنی ان عالی همت که عالمی را تفقد پناه اند و جهانی را امیدگاهٔ فرزانگی و مردانگی فرمایند و اقبال نشان میر احمد حسین موصوف را بنظرگاه گیهان خدیو برند و حقیقت حال را به آئینه که در خور باشد گزارش کرده آن هر دو آرزو را روائی بخشند یعنی هم این فرخنده خوی فرخ تبار در سلک ملازمان و بندگان سلطان فریدون فر دارا دربان منسلک گردد و عمر خود را که یارب دراز باد همانجا بسر برد و هم این تهیدست بی نوا را بسبیل جایزه سرمایه فراز آید تا برگ سفر ساخته بسوی دشت نجف بسر شتابد- از آنجا که فضولی آئین درویشی نیست و معهذا بزرگان گفته اند

شعر

که خواجه خود روش بنده پروری داندؔ

بیش ازین زحمت نمی دهم و نامه را بدعا ختم میکنم چرخ فرمان بر و ستاره فرمان پذیر باد- نامه نگار هوا خواه اسد الله نگاشته پنجشنبه یکم رجب ۱۲۶۵ هجری مطابق ۲۴ مئی ۱۸۴۹ ع-

☆..☆..☆

نامه بنام نامی شاهصاحب

شعر:

آگرچه نیک نیم خاک پای نیکانم
عجب که تشنه بمانم سفال ریحانم

بجناب شاه صاحب قبله و کعبه دوجهان رجوع آورده مستمندانه ناصیه بر زمین می سایم و عرضه میدارم آه ازان روزگار که باآنهمه خجستگی که داشت بخت مرا خجسته نکرد۔ همانا سخن دران میرود که حضرت روزی بلکه ماهی چند در قلعه این شهر جا داشتند و من سوخته اختر به پابوس نرسیدم۔ هر چند در معرض این محرومی هر قدر حیف خورده شود بجای خود است' لیکن چون در پرکه آفرینش به عنوان اندیشه نظر میکنم مکشوف میگردد که اگر در عالم اعیان ثابته که محل نزول فیض قدس است هستی این خاکسار و هستی آن ز بدئه اعیان روزگار مربوب یک اسم است هر آئینه اگرچه بصورت روشناس نباشم از روی معنی هیچگونه بیگانگی درمیان نیست۔ امید که تفقد دریغ نه فرمایند و حال مرا زین عرضداشت مجملاً و اظهار سعادت و اقبال نشان میر احمد حسین طال عمره مفصلاً دریافته مرهم نه خستگیهای دل ریش این درویش شوند۔ واقعه این است که از عهد اورنگ نشینی فردوس منزل نصیرالدین حیدر بادشاه اود به صیغه صله مدح زله خوار خوان عطای آن سلطنتم۔ قصیدئه من بوساطت روشن الدوله بهادر پیشگاه سلطان گذشته و پنجهزار روپیه مرحمت گشته در روزگار سریر آرائی محمد علیشاه ذریعه نیافتم و در وقت فرمانروائی حضرت امجد علیشاه آنچه از

ناسازگاری روزگار بر من رفت میر احمد حسین که ازان آگهند بعرض خواهند رسانید- حالیاً ان میخواهم که اگر نوابصاحب والا مناقب رفیع الشان قطب‌الدوله نواب قطب علیخان بهادر دام اقباله مربی گری من فرمایند قصیده را نزد برخوردار میر احمد حسین فرستم تا آن سعادت نشان اول به نظر کیمیا اثر حضرت گذراند و پس ازان بخدمت والای نوابصاحب رساند و نوابصاحب به آئینی شایسته بنظرگاه خاقان دارا دربان گذرانند و حال ثناگستری و سخنوری من و نوازش و بخشش فردوس منزل بعرض خسرو سپهرِ بارگاه رسانند- اگر بخت نارسائی کند و عطیه بقدر جاه و دستگاه شاه نباشد' باری هم بدان مایه بخشش که از عهد فردوس منزل معمول است قناعت میتوانم کرد- حالیاً در فرستادن قصیده مدح شاه و قطعه ستایش حضرت والا همت نواب صاحب قطب الدوله بهادر از جانب من درنگ نیست- همین که حضرت جواب این عرضداشت مشتمل بر قبول التماس فقیر به سید صاحب خواهند داد و آن رافت نامه بمن خواهد رسید' فوراً قصیده و قطعه بواسطه میر احمد حسین ستوده خوی بعالی بخدمت خواهد رسید- عرضداشت اسد الله نگاشته دوشنبه نهم ذی الحجه ۱۲۶۴ هجری-

☆..☆..☆

نامه بنام نامی نوروز علیخان بهادر

عالیجاها مخلصان امیدگاها، دیر است که به نامه نامور نه ساخته اند- دوتا نامه بواسطه حسین مرزا به مظفر الدوله بهادر روان داشته آمد و کتابتی بدست میر احمد حسین فرستاده شد- میر احمد حسین خود در آن شهر رسید و شرف پابوس شما دریافت و بمن نبشت که رسیدم و نامه رساندم- مظفرالدوله بهادر چون گویم که نامه های من بشما نداد و به روزن دیوار های کاشانه نهاد- یارب اینهمه بی التفاتی از چه راهگذر است، یا خود آن بود که غیاث الدوله و دیگر احباب حال شما از من میپرسیدند یا خود از ناسازی روزگار طرح آن افتاد که من از هر در دریوزه خبر میکنم- یک بار میر احمد حسین حال آنفرخنده خوی رقم کرده و بهم بر آمدن دیده و دل را چاره گر آمده، هماناکمتر بخدمت میرسد و جگر تشنه التفات است- پندارم به وی نپرداخته و او را به عطوفت بزرگانه ننواخته اند- بوی نپرداختن و او را ننواختن نیز ازان خبر میدهد که دل از من برکنده و مهر از من برداشته اند- بیمهری شما خاصه درین روزگار که سخت غمینم و پیداست که غمزده غمخواری بیشتر خواهد جانگزا تر از آنست که توان گفت- باری بخود آیند و لختی به غمزدگان گرایند- بیش ازین جگر تشنه پاسخ نامه نمیتوانم زیست اگر مشفقی منشی احمد سلمه الله تعالیٰ از حاضران انجمن نه بود میر احمد حسین را فرمان دهند تا سطری چند از جانب شما بمن نویسد و اگر او نیز نمی آید حسبته" لله خود زحمت کشند و دو کلمه به جنبش بنان گهر فشان خویشتن به نگارش آورند، بو که آن نگاشته حرز دفع اندوه تواند بود، باللّه العظیم حالیا" به دهلی در آن گونه پیچتابم که ماهی در آتش و سمندر در آب- شعر-

هر لحظه دل بسوی بیابان کشد مرا
آب و هوای شهر بمن سازگار نیست

هیچ صاحبدولتی در هند نیست که ازین گروه بیشکوه بگسلم و خود را بدامن دولت وی بندم۔ چه کنم دستمایه من سخن است و اینرا درین قلمرو کسی بجوی نمیخرد۔ گوئی همه عمر باد میپیمودم[1]۔ دریغ از روزگاری که در مشق سخن گذشت۔ کاش از نخست به زمزمه و سرود دل بستمی و چنگ و چغانه زدن [2] آموختمی۔ هیهات چه میگویم مگر درینطائفه که بمزد نوا نان میخورند بی نوایان نیستند اگر بمثل سرود سرائی نیز پیشه داشتمی هم از نکبتیان آن فرقه بودمی، چنانکه اکنون [3] سخن را کس خواستار نیست نوای مرا نیزکس خریدار نبودی و عمرم همچنین به ناکامی و تیره سرانجامی گذشتی۔ روزی یکی از همنفسان را دل بر من و [4] کاروبار من سوخت، اندوه من خورد و گفت حیف که [5] ترا در عهد اکبر و شاهجهان به گیتی نفرستادند۔ گفتم من و یزدان[6] اگر دران خجسته روزگار بودمی، همچنین خسته و خوار بودمی، خورش من از خوان دهر جز خون نبودی و دستگاه من ازین دو روپیه روزینه افزون نبودی۔ سخن کوتاه از امروز با خویش عهد کرده ام که در هفته یک نامه بسبیل ڈاک انگریزی بشما فرستم و محصول بر شما حوالت کنم تا از رسیدن نامه خاطر فراهم باشد۔ بنگرم [7] تا چند

۱ اغلاط نامہ طبع دویم کے مطابق "میبودم" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "می میبودم" ہے۔
۲ طبع دویم میں "آموختی" چھپا ہے جو درست نہیں ہے۔
۳ اغلاط نامہ طبع دویم میں "سخنم" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "سخن" چھپا ہے۔
۴ اغلاط نامہ طبع دویم میں "کاربار" درست ہے جو محل نظر ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "کاروبار" ہے۔
۵ طبع دویم میں "ترا" نہیں ہے۔
۶ اغلاط نامہ دویم میں "کہ اگر" درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں "کہ" نہیں ہے۔
۷ اغلاط نامہ طبع دویم میں "تا" چھپا ہے جو درست نہیں۔

ستوه نمی آئید و پاسخ رقم نمی فرمائید[1] والسلام- از اسد الله نگاشته و فرستاده دو شنبه ۲۷ نومبر[2] سنه ۱۸۴۵ ع

بنام دوستی

خامه که گویای خموش است بزبان غالب آشفته نواحرف میزند- گفتار این بیزبان بوکالت بیدلان شنیدن دارد- رافت نامه ورود آورد و جاذبه نگاه شوق فروریخته کلک نواب خجسته القاب را از روی ورق در دل فرود آورد- دوباره رسیدن تحفته الحدایق گره در ابروی مخدودم نیندازد- چه ارسال آن اوراق دو روز پیش از رسیدن فرمان منع صورت بسته است اکنون روانی فرمان منع آن اخبار را از روانی باز داشت فرمان داده اند که رقم دیگر از اخبار بهر فرستادن گزین باید کرد- رهی پروراجز این اخبار که تحفته الحدایق نام دارد و شرف قبول نیافت، چهارگانه اخبار دیگر در شهر منطبع میگردد، سراج الاخبار در مطبع سلطانی و دهلی اردو اخبار در مطبع مولوی محمد باقر سلمه الله تعالی و قران السعدین در مطبع مدرسه سرکار انگریزی و چون ازین سه گانه نگارش در گذرند همان سید الاخبار است، بارها نزد من دیده و به شبها خوانده اند- ازینها هر کدام را که پسندند روان داشته آید- نامه موسومه حکیم احسن الله خان به معتمدی سپردم تا برد و به مکتوب الیه سپرد- هنوز پاسخی ازان سو نرسیده- هرگاه میرسد، [3] رسیدن همان خواهد بود و بسوی شما فرستادن همان- نامه که بنام مغل علیخان بود خود

---

۱ طبع دوئم میں "فرمائند" چھپا ہے جو درست نہیں-
۲ اغلاط نامہ کے مطابق درست "نوامبر" ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں-
۳ طبع دوئم میں لفظ "رسیدن" چھپنے سے رہ گیا ہے-

بدان نامور سپردم- زود نه دیر جواب نوشت و او را بمن حوالت کرد، چنانکه در نورد این ورق بنظر میگذرد غیاث الدوله حکیم رضی الدین حسن خان چه گویم که چه می گویند و [1]چه قدر شما را یاد می کنند- روزی نیست که ساعتی چند ذکر خیر شما بزبان نگذرد- روزی که نامه شما میرسد، همان روز بست سلام شما بدان والا جاه میگویم تا شمرده سلام ها بمن سپرده اند یا هرگاه که نامه بشما نویسم نگارش را بدان سلام انجام دهم- میر کرم علیصاحب نیز سلام میرسانند از اسد الله نگاشته سه شنبه پانزدهم مئی و فرستاده چهار شنبه شانزدهم ماه مذکور سنه ۱۸۴۹ عیسوی

☆..☆..☆

---

[1] طبع دوئم میں لفظ "چہ" چھپنے سے رہ گیا ہے-

بنام منشی هیرا سنگھ صاحب

سعادت و اقبال نشان منشی هیرا سنگھ صاحب سلمه الله تعالیٰ بعد سلام و آرزوی دیدار باور کنند و یقین دانند که دل بسوی شما نگرانست۔ آیا چه روی داد که چهار روز برابر گذشت و تشریف نیاوردند۔ اگر گناهی کرده ام گناه مرا ببخشند و اگر نیامدن را وجهی دیگر است مرا ازان خبر دهند و اگر این چنین نیست، بیایند و بار غم از دلم بردارند والسلام اسد الله[1] بیگناه و روسیاه و عذر خواه۔

☆..☆..☆

خاتمه کاتب

آفریدگار مهر و ماه را سپاس که درین زمان فرخنده توامان کتاب فیض انتساب سبد چین از تصنیف جناب والا شان شهنشاه [2]قلرو سخن گستری یکه تاز عرصه، معنی پروری علامه عصر بانی مبانی [3] نظم و نثر رشک عرفی و فخر طالب نجم الدوله دبیر الملک اسد الله خان غالب رحمته الله علیه حسب فرمایش منشی هیرا [4]سنگھ صاحب کھتری ساکن دهلی واقع کوچه گندی گلی که یکی از شاگردان حضرت مصنف اند بخط بد نمط احقر العباد عنایت علی بتاریخ هفتم جولائی سنه [5]۱۸۷۰ع روز پنجشنبه صورت اختتام پذیرفت۔

---

۱ اغلاط نامہ طبع دوئم کے مطابق بے گناہ "روسیاہ" عذرخواہ درست ہے جبکہ دونوں طباعتوں میں
" " " " "بے گناہ و روسیاہ و عذرخواہ" چھپا ہے۔
۲ قلمرو درست ہے جو دونوں طباعتوں میں نہیں۔
۳ طبع دوئم میں نظم چھپا ہے۔
۴ طبع دوئم میں "سنگہ" چھپا ہے۔
۵ طبع دوئم میں ۱۸۷۰ع چھپا ہے۔

منشی جواہر سنگھ جوہر

جواہر سنگھ جوہر غالب کے دوست رائے چھجمل کھتری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ غالب نے ان کو شاعری نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے دنیا کا حصول ممکن ہے نہ دین کا۔ بہتر ہے کہ آہنگ نوکری بلند کرو اور کسی ریاست و دولت کے متوسل ہو جاؤ۔ شادی کے بعد شاید جواہر سنگھ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے والدین پر بوجھ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی اور بیوی بچوں کو اپنے والد کے پاس دہلی چھوڑ کر اکبر آباد (آگرے) چلے گئے جہاں غالب کے دیرینہ دوست مولوی سراج الدین احمد رہتے تھے۔ غالب نے جواہر سنگھ کو لکھا کہ وہ ان کو بجائے غالب تصور کریں اور ان سے ملتے رہیں تاکہ ہر قسم کی آسودگی ممکن ہو۔ لیکن جواہر سنگھ جوہر نے غالب کی نصیحت کو در خور اعتنا نہ جانا جس کے نتیجے میں ان کو کوئی روزگار میسر نہ آسکا۔ بالآخر وہ سوداگری کے ارادے سے پشاور چلے گئے جہاں ان کو کاروبار بھی مل گیا اور ان کی صحت بھی درست ہو گئی لیکن وہ اس کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ رائے چھجمل کھتری نے غالب سے خواہش کی کہ جواہر سنگھ کو الور میں ملازم کرا دیں۔

اس وقت الور کے دیوان منشی فضل اللہ خان تھے۔ غالب نے ایک خط دے کر جواہر سنگھ کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ ان کی یہ کوشش سود مند ہوئی یا نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ مالک رام کے بیان کے مطابق جواہر سنگھ جوہر انگریزی عمل داری میں تحصیلدار تھے۔ مرزا عسکری نے بھی ۱۸۶۴ء میں ان کو بلب گڑھ کا تحصیلدار بتایا ہے۔ تذکرہ گلستان سخن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف فارسی میں غزلیں کہتے تھے۔ ان کی ایک غزل اردوئے معلیٰ میں بھی ہے جس کے چند اشعار اس طرح ہیں۔

بہ حیرتم کہ ز دوزخ کسانِ دوزخ را کجا بر ند چو آہم شرارہ بار افتد

نہ گبرم و نہ مسلماں بہ حیرتم کہ مرا سوائے دوزخ مینو کجا گزار افتد

قرار در وطن افسردہ می کند دل را   خوشا غریب کہ دور از دیارِ یار افتد

جواہر سنگھ جوہرؔ کے چند اشعار مختلف تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ان کا طرز کلام یہ ہے۔

تو وزراہ کرم بر سرم گزار غلط   من و بره نه نشستن به انتظار غلط

○ بر اں سرم کہ دگر باکسے نیا میزم   امیدِ لطف زیارانِ روزگار غلط

بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروج

☆..☆..☆

منشی نبی بخش حقیرؔ

منشی نبی بخش حقیرؔ کے آباؤ اجداد پنجاب کے ایک ایسے گھرانے سے تھے جس نے نامساعد حالات کی بنا پر ترک وطن کر کے اکبر آباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حقیرؔ کے والد شیخ حسین بخش یہیں پیدا ہوئے اور یہیں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اس وقت نظیرؔ اکبر آبادی کی شہرت کا ستارہ اوج پر تھا۔ ان کے تلامذہ میں شامل ہو کر پہلے بخشیؔ اور پھر عاصیؔ تخلص کیا۔

منشی نبی بخش حقیرؔ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی سرکاری ملازمت کا آغاز علی گڑھ کول میں عدالت فوجداری کی سر شتہ داری سے کیا۔ شاعری کا ذوق اپنے والد سے ملا تھا۔ چند ہی دنوں کی مشق کے بعد گلزار علی اسیرؔ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ غالبؔ نے اپنے کئی خطوط میں ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہے جس کی بنا پر

○ جواہر سنگھ جوہرؔ کی مندرجہ ذیل رباعی بھی جو 'گلستان مسرت' کی ورق گردانی کے دوران دریافت ہوئی قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

در فصل بہار ہر گل تر شگفد   ہر غنچہ بشاخ خویشتن بر شگفد
وین غنچۂ تو عجب شگفتن دارد   کز گلبن خود بشاخ دیگر شگفد

گلستان مسرت (صفحہ ۱۳۱) مصنفہ عبدالرحمن شاکر مطبوعہ ۱۳۲۱ھ (مطبع کرامی اسلامی لاہور)

غالبؔ ان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ منشی نبی بخش حقیرؔ کسی سرکاری کام پر ۱۸۴۷ء میں علی گڑھ سے دہلی آئے تو غالبؔ ہی کے مکان پر قیام کیا۔ اس دوران شعر و سخن کی محفلیں ہوئیں اور علم و ادب پر مذاکرہ بھی۔ ان تمام چیزوں نے غالبؔ کو بہت متاثر کیا چنانچہ انہوں نے منشی نبی بخش حقیرؔ کے بارے میں ۱۰ فروری ۱۸۴۹ء کو ہر گوپال تفتہؔ کو لکھا۔

"میں حیران ہوں کہ اس فرزانۂ یگانۂ روزگار یعنی منشی نبی بخش حقیرؔ کو کس درجے کی سخن سنجی اور سخن فہمی عطا ہوئی ہے۔ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں مگر جب تک میں نے ان بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن سنجی کیا چیز ہے اور سخن فہمی کس کو کہتے ہیں۔"

منشی نبی بخش حقیرؔ کو بھی غالبؔ سے بے حد مودّت تھی۔ وہ آخر میں غالبؔ ہی سے مشورہ کرنے لگے تھے۔ ۱۸۶۰ء سے کچھ پہلے ان کو طرح طرح کی بیماریوں نے گھیر لیا اور وہ ان ہی کا شکار ہو کر اکتوبر یا نومبر ۱۸۶۰ء میں چل بسے۔ پس ماندگان میں دو لڑکے عبد اللطیف اور نصیر الدین اور ایک لڑکی ذکیہ بیگم یادگار چھوڑی۔

حقیرؔ کا کلام عام دسترس میں نہیں پھر بھی جو ملتا ہے اس کا نمونہ یہ ہے۔

سایۂ قصر ترا یاد آیا   پھر ہمیں ظلِ ہما یاد آیا
زخم کے منہ میں بھر آیا پانی   جب کہ پیکاں کا مزا یاد آیا

شانے نے بل نکال دیے زلفِ یار کے   موذی کو اس نے زیر کیا مار مار کے
پھر جنوں آ کے ہوا دست و گریباں ہم سے   نہ گریباں ہی بچے اب کے نہ داماں ہم سے
پیرزم غالبؔ۔ عبد الرؤف عروجؔ

☆..☆..☆

نواب علاؤالدین خان بہادر علائی

نواب علاؤالدین علائی نواب امین الدین احمد خان والئی لوہارو کے صاحبزادے تھے ۔ان کی تاریخ پیدائش ۲۵ اپریل ۱۸۳۲ء اور مولد دہلی ہے۔ان کی تعلیم وتربیت کی نگرانی غالبؔ نے کی جس کی رو سے انہوں نے بہت جلد ترکی، عربی اور فارسی میں ملکہ پیدا کر لیا اور اردو اور فارسی میں شعر بھی کہنے لگے۔ غالبؔ نے ان کیلئے نسیمیؔ تخلص تجویز کیا لیکن ان کے خیال میں اس کی تصحیف بشمی سے ہو سکتی تھی، اس لئے انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔

غالبؔ نواب علاؤالدین احمد خان کو بہت چاہتے تھے۔ایک سند بھی لکھ کر دی تھی جس کے ذریعے ان کو اپنے بعد فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا تھا۔ سند کے الفاظ یہ ہیں۔

"میں نے دبستانِ فارسی کا تم کو جانشین قرار دے کر ایک سجل لکھ دیا ہے اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی ہے اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا مہینوں کی نہ رہی، شاید بارہ مہینے جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں ورنہ دو چار مہینے، پانچ سات ہفتے دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے۔ اپنے ثباتِ حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھے دیتا ہوں کہ فنِ اردو میں نظماً اور نثراً تم میرے جانشین ہو چاہیے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے ویسا تم کو مانیں۔"

نواب علاؤلدین خان کی شادی نجیب الدولہ کے پوتے جلال الدین احمد خان کی صاحبزادی شمس النسا بیگم سے ۱۸۔ فروری ۱۸۵۵ء کو ہوئی۔ شمس النسا بیگم سے ان کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہوئیں۔ پہلا بیٹا تحیؔی پیدا ہونے کے کچھ دنوں بعد مر گیا تو غالبؔ نے اس کی رحلت کی تاریخ لکھی۔

عمدیدہ نسیمیؔ ہے تاریخ وفاتش
بنوشت کہ درداغِ پسر سوخت دلِ ازما

"ما کے عدد ۴۱، دل کے ۳۴ ما میں سے دل گویا ۴، میں ۳۴، گئے باقی رہے سات، وہ داغِ

پسر یر بڑھائے ۱۲۷۴ھ ہاتھ آئے"۔

جب نواب امین الدین احمد خان کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور وہ لوہارو کا انتظام کرنے کے اہل نہیں رہے تو اہل خانہ نے علاء الدین احمد خان کو ان کا جانشین تسلیم کرتے ہوئے گدی پر بٹھا دیا۔ "ریاست خداداد" اس واقعہ کی تاریخ ہے۔ اس طرح ۱۵۔ اگست ۱۸۷۴ء کو وائسرائے لارڈ بروک نے علائی کو فخر الدولہ دلاور الملک اور رستم جنگ کے خاندانی خطابات اور اختیارات تفویض کر دیے۔

علائی کو اپنی زندگی میں کبھی بھی انتظامی امور سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان کی شاہ خرچیوں کے نتیجے میں ریاست کی مالی اور اقتصادی حالت روز بروز تباہ ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ جب ریاست پر ایک لاکھ سے زیادہ کا قرض چڑھ گیا تو حکومت انگریزی نے دخیل ہو کر علائی کو ریاست سے بے دخل کر دیا اور ان کی جگہ ان کے صاحبزادے سر امیر الدین خاں سربراہ بنا دیئے گئے۔

علاؤ الدین احمد خان کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ جب دہلی میں اپنے مکان واقع بلی ماراں میں رہتے تھے تو کبھی کبھی جلسۂ شطرنج ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے لوہارو میں فخر المطابع کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا تھا جہاں سے علمی وادبی کتابیں شائع ہوا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی کوئی علمی یادگار چھوڑی اور نہ اپنا دیوان چھپوایا۔ ان کی تاریخ وفات ۳۱۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء ہے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اللہ رے بے ثباتی عمر فنا پسند بجھتا ہے یہ چراغ پلک کی ہوا کے ساتھ

درماں پذیر درد اگر ہے تو خاک ہے دیں جان کیوں نہ درد کے بدلے دوا کے ساتھ

جس جا کہ تھا ترانۂ بلبل نشاط خیز اس جا پہ آج دل شکن آواز زاغ ہے

بزم غالب عبدالروف عروج

☆..☆..☆

جان جاکوب

جان جیکب (John Jacob)۔ غالبؔ نے ان کا ذکر منشی نبی بخش حقیرؔ، مرزا حاتم علی بیگ مہرؔ اور مرزا ہر گوپال تفتہؔ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ سٹیفن جیکب کے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ رام بابو سکسینہ نے ان کا سنہ ولادت ۱۸۱۴ء بتایا ہے۔ ۱۸۲۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بمبئی آرٹلری میں سپاہی کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ زندگی کا بڑا حصہ سندھ میں گزارا۔ پاکستان کا شہر جیکب آباد انہیں کے نام پر ہے۔ ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو جب وہ غالبؔ کے مہمان ہو کر دہلی آئے تو کلکتے کے احسن الاخبار نے ۲۰۔ دسمبر ۱۸۴۴ء کی اشاعت میں یہ خبر دی ''۱۴۔ اکتوبر کو میجر جان جاکوب اکبر آباد سے دہلی وارد ہوئے۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ نے روایت قدیم کے سبب سے مہمان نوازی اور استقبال کی رسومات کو شان و شوکت کے ساتھ انجام دیا اور نواب ضیاالدین خان کے مکان میں جہاں پہلے ہی سے مہمانداری کا انتظام کیا گیا تھا ٹھہرایا'' غالبؔ جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں۔ ''میجر صاحب یہاں (بلیماروں میں نواب ضیاالدین خان کے مکان) سے چلے گئے ہیں' انہوں نے کوٹھی فیض طلب خان کرایے پر لے لی ہے' وہاں رہتے ہیں''۔ اس خط میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے آج تک تو انہیں قلعے کے دانہ ودام کے فریب سے بچا رکھا ہے' ان لوگوں کی روش دیکھ کر خود بھی بددل ہو گئے ہیں''۔ ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب پہلے غالبؔ کے مہمان ہو کر نواب ضیاالدین خان کی کوٹھی پر ٹھہرے تھے۔ پھر انہوں نے ایک مکان کرایے پر لے لیا۔ جاکوب غالباً قلعے میں ملازمت کے متمنی تھے لیکن قلعے کی حالت دیکھ کر' کچھ غالبؔ کے سمجھانے سے وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

جاکوب کے نام غالبؔ کے چھ فارسی خط ہیں۔ پانچ پنج آہنگ میں اور ایک باغِ دودر میں۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب فارسی میں شعر کہتے تھے اور غالبؔ کے

شاگرد تھے۔ انہوں نے دیوان حافظ مرتب کیا تھا جس کی تقریظ غالبؔ نے لکھی تھی۔ جاکوب نے گوالیار میں مکان بنایا تو ان کی فرمائش پر غالبؔ نے سات شعر کا ایک فارسی قطعہ تاریخ لکھ کر بھیجا۔ انہوں نے ایک کنواں بھی تعمیر کیا تھا۔ غالبؔ نے اس کنوئیں پر بھی فارسی میں ایک سات شعر کا قطعہ کہا تھا۔ جاکوب کو پسند نہیں تھا کہ غالبؔ اردو میں شعر کہیں اس لئے وہ ان کو فارسی میں شعر کہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جان جاکوب ترقی کرتے کرتے جنرل ہو گئے تھے۔ ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی میں ان کی تاریخ وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۸ء بتائی گئی ہے جو درست نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ غالبؔ نے جاکوب کی وفات کا ذکر مہرؔ کے نام اس خط میں کیا ہے جو غالبؔ نے انہیں ۵ تارچ ۱۸۵۸ء سے پہلے لکھا تھا۔ پوری کوشش کے باوجود جاکوب کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ جاکوب ۱۸۵۷ء میں انقلابیوں سے لڑے اور انہیں کے ہاتھوں مارے گئے۔ جان جاکوب کے بارے میں تقریباً ۳۶ دستاویزات نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں جو ان کے تقررات اور تنخواہ وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

جہان غالبؔ۔ خلیق انجم

☆..☆..☆

مولوی رجب علی خان

رجب علی کا نام ان لوگوں کی فہرست میں نمایاں نظر آتا ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی سعی انقلاب کو ناکام بنایا اور انگریزوں کا ساتھ دیکر قوم کشی اور وطن فروشی کی انتہائی مکروہ تصویر پیش کی۔ رجب علی ۱۸۰۶ء ضلع لدھیانہ کے ایک قصبے تلونڈی میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی تو ان کا خاندان وہاں سے جگراؤں منتقل ہو گیا جس کے بعد ۱۸۱۸ء میں وہ حصول تعلیم کیلئے لاہور بھیجے گئے جہاں انہوں نے حکیم سید خیر شاہ لاہوری اور حکیم ملا مہدی خطائی سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ بعد ازاں ۱۸۲۵ء

میں دہلی کالج میں داخل ہو کر ریاضی کے مدرس ہو گئے لیکن ان کی یہ مدرسی زیادہ نہیں چلی۔ چنانچہ مدرسی ترک کر کے انہوں نے ہوشنگ آباد اور پھر بھوپال کا قصد کیا اور محکمہ فتاویٰ شرعیہ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۸۴۳ء میں اچانک بھوپال کا قیام ترک کر کے وطن کی راہ لی اور سردار فتح سنگھ کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے اسی کے چار ماہ بعد ان کو جان رسل کلارک نے انبالہ میں اپنا منشی بنالیا۔ ۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے ان کی بہتر کارکردگی سے متاثر ہو کر جگراؤں کے کچھ علاقے بطور جاگیر دئے۔ اسی دوران ہنری لارنس کے ساتھ راجپوتانہ کا بھی دورہ کیا۔ غالبؔ نے ۱۲ مئی ۱۸۵۵ء کو منشی جواہر سنگھ جوہرؔ کے نام ایک خط میں لکھا ہے۔

"مولوی رجب علی نے دہلی پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا پھر جودھپور روانہ ہو گئے جہاں ایجنٹ راجستھان کے دفتر میں ان کا بڑا لڑکا ملازم ہے۔ روانہ ہوتے وقت ان کا چھوٹا لڑکا اور چھوٹا بھائی بھی ان کے ساتھ تھا۔ واپس لوٹے تو دونوں ان کے ساتھ نہیں تھے۔ غالباً ان کو ایجنٹ راجستھان کے سپرد کر دیا ہے تاکہ ہر ایک کام سے لگ جائے"۔

رجب علی نے دہلی میں اس قیام کے دوران علم الکلام کے منتہی مولوی حیدر علی سے مولوی صدر الدین آزردہؔ کے بالمواجہ مناظرہ بھی کیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران ان کو کمانڈر انچیف کا میر منشی بنایا گیا۔ ان کی خدمات کے صلے میں ان کو پانچ ہزار روپے نقد اور ارسطو جاہ اور خان بہادر کے خطابات دیئے گئے۔

غالبؔ سرکار انگریزی میں علاقہ ریاست دو دمانی کے رکھنے کے مدعی تھے۔ دربار میں ان کے لئے داہنی صف 'دسواں نمبر سات پارچہ معہ جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید و خلعت مقرر تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد ان کی پنشن تو جاری ہو گئی لیکن یہ اعزاز ختم کر دیا گیا جس کی بحالی کیلئے انہوں نے مختلف انداز سے اپنی کوششیں شروع کیں۔ وہ جانتے تھے کہ رجب علی کو سرکار انگریزی میں اثر و رسوخ حاصل ہے اور وہ کمانڈر انچیف کے دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک خط کے ذریعے اس جانب توجہ دلائی کہ اس مرتبہ پنجاب میں

جو دربار ہوا ہے اس میں ان کا نام رئیس زادوں کی فہرست سے نکال کر رعایا میں رکھا گیا ہے اور وہ خلعت و دربار کے اعزاز سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رجب علی سے درخواست کی کہ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں تو یہ ان کی عنایت ہو گی۔

رجب علی نے اس سلسلے میں غالب کی کہاں تک مدد کی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو دربار و خلعت پھر سے جاری ہو گیا۔ خلعت کے دوبارہ جاری ہونے سے دو سال پہلے رجب علی مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے عراق اور عرب کے سفر پر روانہ ہو گئے اور وہاں سے واپس آنے کے چند سال بعد ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔

بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج

☆..☆..☆

نواب تفضّل حسین خاں

نواب تفضل حسین خاں محفوظ علی خاں کے بیٹے اور برکت علی خاں کے بھانجے تھے جن کا مولد خیر آباد تھا۔ انہوں نے علوم درسیہ کی تکمیل دہلی میں کی اور ٹونک جا کر نواب وزیر الدولہ والئی ٹونک کے ملازم ہو گئے جس پر ان کو یہ عہدۂ سفارت اجمیر میں سر اختر لونی کے پاس متعین کیا گیا۔

مولوی عبدالقادر رامپوری نے اپنے روزنامچے میں تفضل حسین خان کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے "تفضل حسین خان ذہن روشن اور طبع رسا رکھتے ہیں۔ اور اس ہی کے زور پر ہر جگہ راستہ نکال لیتے ہیں، تحریر و تقریر اور سخن فہمی کا بھی ان کو ملکہ ہے۔ چونکہ وہ عاقبت اندیش نہیں ہیں اس لئے جتنا کچھ پاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ خرچ کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کینہ، رشک، فریب اور مردم آزاری سے انہیں سخت نفرت ہے۔ یہی نفرت بعض اوقات ان کیلئے بری اور دوسرے کے لئے اچھی ہو جاتی ہے"۔

تفضل حسین خان اور غالب میں دہلی ہی سے محبت اور یگانگت تھی۔ وہ جب نواب

وزیرالدولہ والئی ٹونک کے سفیر مقرر ہوئے تو غالؔب کو ان سے امید بندھی کہ دربار ٹونک میں ان کے ذریعے ان کا اعزاز بڑھ جائیگا۔ اس بنا پر انہوں نے ۱۲۶۱ھ میں عرؔفی کی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیرالدولہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ لیکن نواب نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ غالؔب نے کچھ دنوں تو انتظار کیا لیکن جب ۱۸۴۵ء میں مطبع دارالسلام دہلی میں ان کے دیوانِ فارسی کی طباعت شروع ہوئی تو تفضل حسین خان کو لکھا "نواب ٹونؔک نے مجھ کو درخور اعتنانہ سمجھا اور میری مدح گوئی کو نگاہ میں نہ لائے۔ اس لئے میں نے طے کر لیا ہے کہ میں بھی بے حوصلگی سے کام لوں اور اس قصیدے

؎ اے ذاتِ تو جامع صفتِ عدل و کرم را
وے بر شرف ذات تو اجماع امم را

کو قلم زد کر دوں، دیوان میں درج نہ کروں۔ نواب نے میرا نام اپنے دربار میں پسند نہیں کیا میں بھی نواب کا نام اپنے دیوان میں پسند نہیں کروں گا"

تفضل حسین خان کی خواہش تھی کہ ریاست کے خزانے سے غالؔب کو قصیدے کے صلے کے طور پر پانچ چھ سو روپے دیے جائیں لیکن وہ جیتے جی اس خواہش میں کامیاب نہ ہوئے۔ البتہ جب ۱۲۷۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو والئی ٹونک نے غالؔب کو پانچ سو روپے سکہ مادھوری مرحمت کر کے ان کی خواہش پوری کر دی اور ان کے صاحبزادے احمد حسین خان کو ان کی جگہ سفارت پر مامور کیا جو اردو کے مشہور شاعر سید افتخار حسین مضؔطر خیر آبادی کے والد تھے۔

بزم غالؔب۔ عبدالرؤف عروؔج

☆..☆..☆

مرزا ہرگوپال تفؔتہ

ضلع بلند شہر کے ایک قصبہ سکندر آباد کو سکندر لودھی نے آباد کیا تھا۔ اسی زمانے

میں یہاں کائستھوں کے ایک مشہور خاندان نے سکونت اختیار کرلی تھی اوراپنی خدمات کے صلے میں موروثی عہدہ قانون گوئی سے سر فراز ہوا تھا۔ منشی ہر گوپال تفتہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ان کا سال ولادت ۱۲۱۴ھ ہے۔ ان کے والد موتی لال نے ان کی تعلیم کا بندوبست گھر پر ہی کیا۔ ان کو فارسی سے بے حد دلچسپی تھی۔ اپنی ذاتی کوششوں سے نہ صرف فارسی سیکھی بلکہ مختلف فارسی شاعروں کے دیوان بھی پڑھے۔ نشتر عشق کے مولف کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے راقم تخلص کرتے تھے۔ غالب کی شاگردی میں تفتہ اور پھر مرزا ہر گوپال تفتہ ہو گئے۔

انہوں نے کچھ دنوں انگریزی محکمہ بندوبست میں قانون گو کی حیثیت سے کام کیا لیکن شاعری کی خاطر جلد ہی اس سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے بعد ریاست جے پور کی جانب سے ملازمت کی پیش کش ہوئی لیکن یہ تعلق بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔ غالب سے قلبی تعلق ہونے کی خاطر ان کی بیماری میں سکندر آباد سے چل کر دہلی آئے اور جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا چین نہیں ملا۔

تفتہ کا چھوٹا لڑکا پتمبر سنگھ ۱۲۷۲ھ میں انتقال کر گیا اور اس کے تھوڑے عرصے بعد لڑکی بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ ان صدموں کا مقابلہ تفتہ نے بڑے حوصلے سے کیا اور شعر کہہ کہہ کر دل بہلاتے رہے۔ بالآخر ۱۵۔ رمضان ۱۲۹۶ھ انتہائی کس مپرسی کے عالم میں سکندر آباد میں انتقال کیا۔

ممتاز احمد تھانوی نے اس شعر سے ان کی تاریخ وفات بر آمد کی ہے۔

سال نقلش بادل زار از خرد   من شنیدم بے سروپا شد سخن

ان کو اردو شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں تھی۔ جو کچھ لکھا فارسی ہی میں لکھا۔ بعض لوگوں کے مطابق چار دیوان یادگار چھوڑے۔ اس کے علاوہ گلستانِ سعدی کی تضمین بھی لکھی اور بوستان کے جواب میں سنبلستان لکھی۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

تیغ افتاد از کف قاتل زندگانی وبالِ گردن کیست
می دود چار سونمی دانم برق گرمِ تلاش خرمن کیست

---

o اے تماشہ گاہ ایں دل روئے تو عالمےدر دل تماشہ کردہ ایم
داردار خودر فتگی ہا عالمے رفتہ ایم و سیر عالم کردہ ایم

بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ

☆..☆..☆

جانی بانکے لال وکیل راج بھرت پور

جانی بانکے رائے رندؔ کے حالات نہیں ملتے ہیں۔ وہ غالبؔ کے شاگرد بھی تھے اور محسن بھی۔ غالبؔ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھرت پور میں سرکاری وکیل تھے۔ انہوں نے ہرگوپال تفتہؔ کو وہاں ملازمت دلوائی تھی۔ جن دنوں غالبؔ تاریخ تیموریہ کا پہلا حصہ مہر نیمروز لکھ رہے تھے ایک انگریز جارج جوزف کے یہاں ان کی جانی بانکے رائے رندؔ سے ملاقات ہوئی تھی۔ جانی بانکے رائے رندؔ منشی نبی بخش حقیرؔ کے بھی دوست تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ نبی بخش حقیرؔ کے پاس غالبؔ کی نثر ہے تو انہوں نے ان سے منگوالی اور غالباً ان ہی کی وساطت سے اپنے کچھ اشعار غالبؔ کے پاس بغرض اصلاح بھیجے۔ غالبؔ ان کی غزلوں پر اصلاح دینے کے علاوہ ان کو اپنی نثر کا خواہش مند پاکر ان کے لئے بھی مہر نیمروز کے مسودے کی ایک نقل تیار کرانے لگے۔

غالبؔ اور رندؔ کے درمیان حد درجہ موانست تھی۔ ان ہی کی خواہش اور اصرار پر غالبؔ نے اپنے اردو دیوان کا ایک نسخہ بہت تکلف سے لکھوایا اور ان کے ذریعے مہاراجہ

---

o سعدیؔ کی غزل کا مشہور شعر ہے۔ اے تماشہ گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی

جے پور کے ملاحظے میں پیش کیا مہاراجہ جے پور نے اس ضمن میں جتنے انعامات دیے وہ سب بانکے لال رند نے غالب کو بھجوائے اور ایسے دور میں مالی امداد بہم پہونچائی جب وہ شدید مالی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ ۱۲۷۱ھ میں بانکے لال رند سخت مصائب سے دوچار رہے۔ جوان داماد مر گیا بیٹی بیوہ ہوگئی۔ ان صدموں کی وہ زیادہ تاب نہ لا سکے اور ۱۲۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

تفتہ کے دیوان دوم میں جو کوہ نور پریس لاہور سے ۱۸۵۷ء میں چھپا بانکے لال رند کا ایک طویل اور درد ناک مرثیہ موجود ہے۔ اس مرثیے میں تفتہ نے ان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندو ہونے کے باوجود اسلام کے دلدادہ تھے۔ اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ایک لڑکی کے علاوہ ان کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ نہ معلوم مالک رام نے ان کو اولد کیوں لکھ دیا ہے جبکہ غالب نے ایک خط میں ان کی بیٹی کے بیوہ ہو جانے کی اطلاع دی ہے۔ بانکے لال رند کا کلام نایاب ہے۔

بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج

☆..☆..☆

میر احمد حسین میکش

میر کرار حسین کے صاحبزادے تھے جن کا تعلق دہلی کے خاندان سادات سے تھا۔ امداد صابری نے ان کو شائستہ خان کی اولاد سے اور مرزا عسکری نے سادات بارہہ کے خاندان سے بتایا ہے۔ انہوں نے کتب عربیہ اخوند فیض محمد سے پڑھی تھیں۔ تیس برس کی عمر میں صدر امین اول کی کچہری میں عہدہ وکالت پر مامور ہوئے تھے۔ ان کے بھائی امداد علی آشوب میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لینے لگے تو انہوں نے غالب کے آگے زانوئے تلمیذ تہ کیا۔ غالب کو میکش سے بڑی محبت تھی۔ ان کے بارے میں وہ اپنے ۷ فروری ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"میکش چین میں ہے۔باتیں بناتا پھرتا ہے۔ سلطان جی میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین مرتبہ میرے پاس بھی آیا۔پانچ سات دن سے نہیں آیا کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔خود یہاں لوٹ کی کتابیں خرید تا پھرتا ہے"۔

میکش لوٹ کی کتابیں خرید ہی رہے تھے کہ کسی مخبر نے انگریزوں کو خبر کر دی۔ انہوں نے بغاوت میں حصہ لینے کے الزام میں میکش کو گرفتار کر لیا بعد ازاں پھانسی دیدی گئی۔

چنانچہ غالب اپنے ایک خط میں کہتے ہیں۔

"احمد حسین میکش کا حال تم کو معلوم ہے یا نہیں مچنوق ہوا گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں"۔ ایک اور خط میں انہوں نے میکش کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں۔ "اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے ایک گوشہ و توشہ تھا' چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے کل سے میکش مجھ کو بہت یاد آتا ہے"

میکش نے غدر کے ہنگاموں میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور معتوب ہو کر پھانسی پا چکے تھے۔ اس لئے تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات لکھے نہ ان کا کلام پیش کیا۔بڑی تلاش کے بعد ان کے چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں جن کا نمونہ اس طرح ہے۔

از ہر دو جانب سوئے تو آویختہ بر روئے تو
اے بستۂ گیسوئے تو ہم زہرہ و ہم مشتری
گفتمش دی باکہ می رفتی خراماں سوئے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

بزم غالب۔ عبدالرؤف عروج

قطب الدولہ قطب علی خان بہادر

قطب علی خان کو واجد علی شاہ نے "غلام ید اللہ خان' قطب الدولہ مفتاح الملک

مونس دل پذیر' محمد قطب علی خان بہادر مصاحب خاص سلطان العالم خلد اللہ وملکہ وسلطنۃ' کے نام سے یاد کیا ہے۔ قطب علی خان تاریخ اودھ میں قطب الدولہ کے نام سے مشہور ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے ان کو دہلی کا گویا بتایا ہے جو درست نہیں۔ واجد علی شاہ کی خود نوشت 'محل خانۂ شاہی' میں مندرج ہے کہ وہ شہر بریلی کے قوم راجپوت سے تھے اور راجہ جگت دیو کی نسل سے تھے۔ اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ واجد علی شاہ نے اپنے زمانۂ ولی عہدی میں ان سے ستار بجانا سیکھا تھا اور وہ استاد کی حیثیت سے شاگرد کے مزاج میں حددرجہ دخیل تھے۔

واجد علی شاہ نے تخت نشین ہونے پر علی نقی خان کو خلعت وزارت دیا۔ اس کے ساتھ ہی قطب الدولہ اور دوسرے مصاحبوں کی بھی بن آئی۔ تاریخ بوستان اودھ کے مولف کے مطابق قطب الدولہ اور دوسرے مصاحبوں کی منزلت اس قدر بڑھ گئی کہ علی نقی خان کا بس نام ہی نام رہ گیا۔ چنانچہ یہ صورت علی نقی خان کو قابل قبول نہ تھی اور اس لئے انہوں نے ان کو راستے سے ہٹانے کی کوشش شروع کردی۔ نتیجتہً واجد علی شاہ کا ان پر عتاب نازل ہوا اور ان کے حکم پر قطب علی شاہ کو اصطبل میں بند کر دیا گیا اور پھر جلاوطن کر کے کانپور بھیج دیا گیا جہاں وہ واجد علی شاہ کی جلاوطنی تک رہے۔ بعد میں لکھنو آکر نواب ممتاز الدولہ کی ملازمت کرلی۔ لیکن کچھ عرصے بعد رامپور کو اپنی جائے رہائش بنالیا اور بقیہ زندگی وہیں گزاردی۔

قیصر التواریخ کے موٗلف نے قطب الدولہ کو باکمال ستار نواز اور زبردست موسیقی دان بتانے کے علاوہ ان کے ذوق علم وادب کی بھی تعریف کی ہے۔ واجد علی شاہ بھی ان کو ستاری میں شہرہ آفاق' بے بدل شاعر' فارسی داں' عربی داں اور معنی فہم بتاتے ہیں۔ انہوں نے بیشتر شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی ہی نہیں کی تھی بلکہ ان کو بارگاہ سلطانی تک پہونچا کر ان کیلئے وسائل معاش بھی فراہم کئے تھے۔ غالبؔ اور واجد علی شاہ کے درمیان مداح و ممدوح کا رشتہ قائم کرنے میں قطب الدولہ کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ غالبؔ

نے نواب محمد علی خان عرف مرزا حیدر کے نام اس اجمال کی تفصیل یوں لکھی ہے۔

"میں نے حضرت سلطان عالم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا اور نثر میں ایک عرضداشت بھی لکھی تھی۔ یہ دونوں چیزیں قطب الدولہ کو ارسال کر دی تھیں۔ قطب الدولہ نے مجھ پر مہربانی کی اور قصیدہ اور عرضداشت کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ کے حکم سے مولانا ضمیرؔ نے اس قصیدے اور عرضداشت کو ان کے حضور میں پڑھا۔ بادشاہ نے پسند فرما کے قطب الدولہ کو حکم دیا کہ کسی اور وقت عرضداشت کو دوبارہ ملاحظے میں پیش کیا جائے۔ لیکن نظر بد تاک میں تھی۔ قطب الدولہ پر ادبار چھا گیا اور اس نے مجھے وہ قصیدہ اور عرضداشت جوں کی توں واپس کر دی"۔

بزم غالبؔ۔ عبدالرؤف عروجؔ

☆..☆..☆

مظفر مرزا سیف الدین حیدر خان

سیف الدین حیدر خان نام اور عرف مظفر مرزا تھا۔ وہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر نامی کے بیٹے اور ناظر حسین مرزا کے بڑے بھائی تھے۔ ان کی شادی شاہی سواروں کے افسر شمس الدولہ بخشی الممالک بخشی محمود خان کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کا نام عالیہ بیگم تھا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ناکام ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کر لیا۔ ناظر حسین مرزا نے بہادر شاہ ظفر کے ہمراہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ صفدر جنگ کے مقبرے میں پناہ لی۔ پھر بعض دوستوں کے مشورے پر چپ چاپ شہر سے نکل گئے۔ سیف الدین حیدر خان کو اس کا علم نہ تھا۔ ان کو بے حد تشویش ہوئی لیکن جب ان کا ملنا ناممکن نظر آیا تو کسی نہ کسی صورت الور پہونچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن انگریزوں کو معلوم ہو گیا اور وہ بے سروسامانی کی حالت میں گوڑ گاؤں لائے گئے جہاں بغاوت کے جرم میں کسی تفتیش یا مقدمے کے بغیر ان کو گولی مار دی گئی۔ اس سانحے کا علم غالبؔ کو ان کے بھانجے

یوسف مرزا کے خط سے ہوا جس پر جون ۱۸۵۹ء میں غالبؔ نے تعزیت کے طور پر یوسف مرزا کو لکھا "بزرگوں کا مرنا ہی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔ ہاں مظفر الدولہ کا غم مجملہ واقعاتِ کربلا معلیٰ ہے"

بزم غالبؔ عبدالرؤف عروجؔ

☆..☆..☆

ہیرا سنگھ دردؔ

ہیرا سنگھ دردؔ رائے چھجمل کھتری کے صاحبزادے اور جواہر سنگھ جوہرؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔ چونکہ ان کے بھائی غالبؔ کے دوست اور شاگرد تھے انہوں نے بھی غالبؔ ہی سے اصلاح لی۔ ہیرا سنگھ دبستان نشینی ہی کے زمانے سے غالبؔ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کے اوقات کا بڑا حصہ غالبؔ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اگر وہ کبھی نہ آتے تو غالبؔ فکر مند ہو جاتے۔ غالبؔ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ اور ان ہی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیوی ۱۸۵۴ء میں مر گئی۔ جواہر سنگھ جوہرؔ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جوہرؔ نے ان کی ملازمت کیلئے کوشش کی تھی اور رہتک میں ملازم کرا دیا تھا لیکن رہتک میں ان کا دل نہیں لگا۔ چنانچہ انہوں نے غالبؔ کو لکھا کہ اگر وہ پیارے لال آشوبؔ سے سفارش حاصل کر سکیں تو ان کا تبادلہ ممکن ہے۔ اس کے جواب میں غالبؔ نے ان کو لکھا کہ مدرسے کے علاقے میں تو نوکر نہیں ہو جو پیارے لال بابو کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو۔ ان کا کلام اور مزید حالات دستیاب نہیں۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان ہی کی خواہش پر غالبؔ نے اپنی نظم و نثر فارسی کا مجموعہ "سبدِ باغ دودر" کے نام سے مرتب کیا تھا۔

بزم غالبؔ عبدالرؤف عروجؔ

☆..☆..☆

فرہنگ

سعادت واقبال نشانا	اے صاحب سعادت و اقبال
سعادت منشی	سعادت مندی
مہرورزی	الفت شعاری
ہر آئینہ	ناچار، ضرور، بے شک
درد گرانپائی	معذوری کی تکلیف
زخم دیر بہم آئی	زخم کے دیر سے بھرنے کی تکلیف
مجدّر	چیچک نکلا ہوا، چھالے پڑا ہوا
لکہ	داغ، دھبہ
لکہ ہائے سرخ	سرخ چکتے
سوزندہ	اصل معنی تو ہوئے جلانے والا۔ چکتوں اور دانوں کے حوالے سے وہ چکتے اور دانے جن میں جلن ہو
رگ باسلیق زدہ ام	فصد کھلوائی ہے
شاہترہ	ایک دوا کا نام جو عام طور پر خون کی صفائی کیلئے دی جاتی ہے
مروّق	مصفا، صاف کی ہوئی چیز
فرجام	انجام

منطبع می شود	چھپ رہا ہے
انطباع	طباعت' چھپائی
چاشت گاہ	دن چڑھے
بر خوردار	پھل کھانے والا' لطف اٹھانے والا
ہموارہ	ہمیشہ
پاسخ	جواب
در نوردِ نامہ	خط میں لپیٹ کر یا منسلک کر کے۔
خاطر نشان	ذہن نشین
ہنجار	سیدھا راستہ' طرز' روش' قاعدہ
مساعدت	معاونت کرنا' باہم مدد کرنا
گرمابہ	حمام
مبرم	مضبوط' پائدار' از ابرام بمعنی استواری
نشگفت	کوئی تعجب نہیں
کالبد	جسم' سانچہ' قالب
ہمپائے نواب	نواب کے ساتھ
لاجرم	بالضرور' لازمی' خواہ مخواہ
استبعاد	دوری چاہنا' یہاں معنی بعید ہونا
تخمہ	متلی کے ساتھ بدہضمی' ہیضہ
ناحیت	علاقہ

زعم	گمان، ظن
رغم	برخلافی
زاویہ	خانقاہ، مسافرخانہ، فقیروں کی کٹیا
ارمغاں	تحفہ، سوغات
شگرف	عمدہ، اچھا
فرخندہ گوہر	خجستہ فطرت
خاتم	انگوٹھی، مہر
بالجملہ	حاصل کلام
ہمانا	بے شک، بالیقین
کوتاہی سخن	قصہ مختصر
جماعہ	جماعت، لوگ
شوی	شوہر
جگر کاوی	جگر کھودنا یعنی انتہائی محنت کرنا
خونابہ پالائی	خون صاف کرنا یعنی خون چھاننا، بہت محنت کرنا
نگہ می دارم	محفوظ کرلیتا ہوں
طیلسان	چادر
توقیع	فرمان، مکتوب پر مہر یا کوئی نشان
وقیع	اونچا، بلند، رفیع
مفاوضہ	بڑے کا خط چھوٹے کو

مجدداً	از سر نو
تہاون	سستی کرنا
مشرقستان	منور، روشن
اخوان	جمع آخ، سگے بھائی
معاودت	واپسی، لوٹ آنا
دستوری	اجازت
جامہ گذاشت	فوت ہو گیا
کہیں پورِ خودرا	اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو
خصوص	خصوصیت، خاص کر، خاص ہونا
سعادت آثار	سعادت مند
مکافات	بدلہ، پاداش، برائی کی سزا
استیلا	غلبہ
کبود	اودا
نغز	عمدہ، اچھا
واقعہ طلبان	مہم پسند لوگ
بے صرفہ سرایان	بے پر کی اڑانے والے
نیرو	زور، طاقت
عطوفت	شفقت، مہربانی
دولت موعود	وہ دولت جس کا وعدہ کیا گیا ہو

آورندہِ	لانے والا
معمّم	عمامہ باندھ کر
مربّی گری	سرپرستی
منتسبان	متعلقین
ہمگناں	ہم پیشہ ' برابر والے
پلندہ	بنڈل
وہلہ	مرتبہ ' نوبت ' باری
انفصال	فیصلہ
شام گاہ	شام کے وقت
سفینہ	بیاض شعر
کیش	طریق ' مسلک
تودیع	ملاقاتِ رخصت
نجستگی	فرخندگی
خلاف سہلی	معمولی سا اختلاف
چشم داشت	امید ' توقع
روشن سواد	بالیاقت ' باصلاحیت ' ذہین
سوادنامہ	خط
پردہ ہا فروہشتہ	پردے گرے ہوئے ہیں
منقل	انگیٹھی

خاور سوی	جانب مشرق
پر توِ مہر	دھوپ، سورج کی روشنی
صر صرِ خامہ	قلم سے لکھنے کی آواز
سامی	گرامی
بینش	نظر
یغما	لوٹ، غارت
غارت زدگان	تباہ کیے ہوئے
داوری	داورسی، انصاف
شکیب	صبر
تیرگی زدا	اندھیرا دور کرنے والا
رائیگاں	مفت
خرس	ریچھ
نژند	افسردہ
دژم	غمگین
چامہ سرائی	غزل سرائی، شعر گوئی
فرگاہ	درگاہ
تنگ بار	دشوار گزار
شَید ستان	فریستان
شِید ستان	نورستان

ہنجیم	ہم جانیں، ہم گردانیں
فرہ	سبقت، خوش مزاجی
آمیغ	مخلوط، Mixture,Alloy
دربایست ھا	ضروری امور
فرتاب	روشنی
خویشاوندی	قرابت داری
چاربالش	مسند
ویژہ	خاص طور پر، خالص
بے دستگاہی	بے بسی
فرجام کار	آخر کار
خطِ خوانا	پڑھا جانے والا خط یعنی صاف خط
گنجائی	گنجائش
متصدی	پیش خدمت
والا مناقب	والا صفات
راحلہ	سواری
میانجی گری	وساطت
یکپاس	تھوڑی دیر
طرّاحاں	جمع طرّاح یعنی نقاش
مخرب	خراب کرنے والا

گسستگاں	جن سے تعلق ختم ہو چکا ہو
مرتضوی تبار	حضرت علی مرتضیٰ کے خاندان والا
رافت	مہربانی، شفقت
پیرامن	چاروں طرف
کیش تازی	دین عربی
پذیرفتار	ماننے والا
سپری شدہ بود	گزر چکا تھا
دردم	فوراً
ہئیات	صورت
سگالشی نہ کردند	دھیان نہ دیا
آرامش گاہ	راحت گاہ، قیام گاہ
درنگ	تامل، دیر، تعویق
تفقد	غمخواری
امضا	سرکاری مہر، دستخط
عطوفت	مہربانی، شفقت
رافت	مہربانی
اخوان پناہ	بھائیوں کو پناہ دینے والا
مطاع	سرمایہ، مطیع کیا ہوا
ستودہ خو	پسندیدہ خصلت

بریدان	ڈاکیے، قاصد
محامدِ اخلاق	اخلاق کی خوبیاں
پدرود شد	رخصت ہوا
رہگرائی ٹونک شوند	عازم ٹونک ہوں
خاطرِ خطیر	خاطر اقدس
کژاندیشہ	کج فکر
ابرام پیشہ	حجّت و تکرار کرنے کا عادی
ھکذا	اس طرح
ابراز	اظہار
فائزہ	انعام، صلہ، بدلہ
غالیہ	خوشبو
سرھنگ	سپاہی، اجڈ، یہاں مراد ہرکارہ
آبادچہ	چھوٹی بستی
جائے ایشاں خالی است	ان کی کمی محسوس ہوتی ہے
نیاگان	اجداد
پیغارہ	طعنہ
دست فرسود پیشیناں	اسلاف کی روایت
جمازہ	سواری کی اونٹنی
نیا	دادا، نانا، ماموں، بڑا بھائی

پژوھندگان	تلاش کرنے والے یہاں مطلب ہے غرض مندوں سے جو اپنے مقصد کے حصول کی تلاش میں ہیں۔
فرہ	زیاد' فراواں' سبقت' سبب
فرتاب	روشنی' چمک
رامش	نغمہ' زمزمہ
پویہ	گھوڑے کی ایک چال کا نام جس میں وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے
عصارہ	رس' فضلہ' نچوڑا ہوا
دودہ	خاندان
مسموع شدہ	سنا گیا
احیاناً	اتفاقاً
بامداداں	صبح کے وقت
مبرم	مضبوط' پائیدار' ابرام' استواری' ضرورت' التماس
کسوت	لباس
طراز	زیور
ازشام تابام	شام سے صبح تک
یارفروشی	دوست نوازی
پیش دستی	سبقت' نیابت

علاقہ	تعلق
شیوا شیوہ	فصاحت صفت
لاابالی	لاپروا' بے باک
سوادِ نامہ	خط کی سیاہی
مردمکِ چشم	آنکھ کی پتلی
سویدائے دل	دل کے اندر جو کالا نقطہ ہوتا ہے
تسویہ	سیدھا کرنا' برابر کرنا
اجماعِ اِمم	اتفاقِ جمہور' اکثریت کا کسی بات پر اتفاق
ناروا	ناجائز' نامناسب
کلبہ	چھوٹا سا گھر' جھونپڑا
منش	خو' میل' طبیعت
رواں فرسائی	روح فرسائی
دریوزہ	دریوزہ' گدائی' فقیری
دریغ	انکار
مرجع	فاصلہ' مرکز' واپس آنے کی جگہ
مرزبانان	جمع مرزبان بہ معنی سردار' زمیندار
نوآئین صفیر	لحن طرز جدید
تمّوز	سخت گرمی
براٴت	فاصلہ' حصہ' بخرہ

روشنان	جمع روشن، منور، تابندہ
آزرم گستر	منکسر مزاج، حلیم الطبع
کالائے ناروا	وہ مال جو فروخت نہ ہوتا ہو یا جسکی مانگ نہ ہو
خردۂ جان	جان کا ٹکڑا
ریزۂ روان	روح کا ٹکڑا
یگانہ بینان	وہ لوگ جو موحد ہیں
اشتلم	ظلم، جور، تعدیٰ
گرایش	میلان، رغبت
گراں مایگاں	بلند مرتبے والے، اعلیٰ صفات والے
آرامش	راحت، فراغت
وام می گیرم	قرض لیتا ہوں
حالی شد	معلوم ہوا
مغتنمات	جمع مغتنم، غنیمت سمجھا ہوا
مواجب	تنخواہ، مشاہرہ
بدروشی	بدسلوکی
سودازدہ	سودائی
فرہنگ دانا	اے صاحب عقل
ستیزہ	لڑائی، جنگ
کج دار و مریز	ایک ناممکن صورتحال کہ جس میں پانی کا برتن

	ٹیڑھا بھی ہو اور پانی بھی نہ بہے
استماع	سننا
دل سرد	سرد دل
اندرز	نصیحت
مذھب	سنہرا جھول چڑھا ہوا، سنہرا
مطلاّ	سونے کا کام کیا ہوا
شائع	عام، ظاہر، مشہور
سیمائے سعادت	خوش بختی کی پیشانی
بذل	بخشش، سخاوت، عطا
ستوہ آمدہ ام	تنگ آچکا ہوں
مستمند	حاجت مند، غمگین، رنجیدہ
زبدۃ اعیان روزگار	منتخب سرداران روزگار
مربوب	پرورش کردہ، تخلیق کردہ
زلّہ خوار	جھوٹن کھانے والا
والا مناقب	اعلیٰ صفات
جمیل المناقب	جمیل الصفات
عمیم الاحسان	جس کا احسان عام ہو
عتبات عالیہ	مقامات مقدسہ
مستعجل	جلدی میں

اھدا	سوغات، تحفہ
سنیہ	اونچا، روشن
مبادرت	اقدام کرنا، جھپٹنا، بہادری دکھانا
والا تبار	اعلیٰ خاندان
پوزش گزار	معذرت کرنے والا، معافی مانگنے والا
گیہاں	دنیا
خدیو	بادشاہ، شاہ مصر کا لقب
فریدوں فر	فریدوں کی سی شان والا
دارا دربان	دارا جیسے بادشاہ جس کے دربان ہوں
نکبتیان	بد قسمت لوگ
خواستار	طلبگار
خورش	خوراک، طعام
رہی پرور	غلام پرور

☆..☆..☆

نامہ ہائے فارسی غالبؔ مترجمہ پرتوؔ روہیلہ ومطبوعہ ادارہ یادگار غالبؔ پر مشاہیر ادب کی رائے

''خان والا شان قدر افزائے دور افتادگان خان مختار علی خان

کتاب کا تحفہ ملا تھا معذرت طلب ہوں کہ رسید بہت تاخیر سے بھیج رہا ہوں آپ نے اپنے لئے نہایت عمدہ کام کا انتخاب کیا۔ فارسی زبان سے روایتی رابطہ ہے اور خوش ذوقی عطیۂ فطرت ہے اور خوش قسمتی یہ کہ آپ کلاسیکی ادب کے مزاج دان ہیں اور جدید یئے نہیں۔ ایسے کام آپ اعتماد کے ساتھ کر سکتے ہیں''۔

رشید حسن خان شاہ جہان پور (انڈیا)

☆

''برادرم پرتوؔ روہیلہ۔۔ السلام علیکم

اب تک میں آپ کو ایک طرحدار شاعر دوستدار دوست اور اعلیٰ سرکاری افسر گمان کرتا تھا۔ اب آپ کی کتاب نامہ ہائے فارسی غالب ملی تو ایک نیا عالم نظر آیا۔ فارسی جاننے والے تو اب بھی مل جائیں گے لیکن ان خطوط کو صحیح پڑھنے اور ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کرنے والے تو لاکھوں میں بھی اکا دکا ہی نکلیں گے اور ان کی بھی تعداد اب کم ہوتی جا رہی ہے۔ آپ نے ترجمے کے ساتھ ساتھ عالمانہ حواشی اور اختلاف نسخ بھی درج کر کے اپنے علم کی گہرائی اور وجدان کی سچائی کے مزید ثبوت فراہم کر دیئے۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو''۔

شمس الرحمٰن فاروقی۔ الہ آباد (انڈیا)

☆

''مکرمی مختار علی خان صاحب۔۔السلام علیکم

کتاب اب ملی تو اس کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے ترجمہ محنت سے اور دل لگا کر کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ نگار غالبؔ کی زندگی کے اہم واقعات وحوادث سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ پیش گفتار کے صفحہ ۸ پر آپ نے غالب کے فارسی خطوط کی جو چند خوبصورت سطریں پیش کی ہیں وہ کسی بھی صاحب ذوق کو حیرت و سرشاری کی کیفیت میں مبتلا کر سکتی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ دوستوں نے غالب کی فارسی نثر کی طرف توجہ نہ دی جس کی وہ مستحق تھی۔ آپ نے خوب کیا کہ اس کے ترجمے کی ہامی بھر لی اور اس کا خوبصورت ایڈیشن ادارہ یادگار غالبؔ سے شائع کرایا''۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ (انڈیا)

☆

''برادر مکرم۔۔۔السلام علیکم

خوبصورت خط کے ساتھ نامہ ہائے فارسی غالبؔ کا اردو ترجمہ نظر نواز ہوا' ترجمہ دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ دو بے کہنے والا کومل اسلوب کا شاعر اس پایہ کا فارسی دان بھی ہے یہ تو سوچا بھی نہ تھا۔ فارسی اور فارسی بھی غالبؔ کی یعنی فارسی بھی ایک الگ اسلوب کا فسانہ عجائب اور آپ نے بکمالِ حسن وخوبی اصل اسلوب کے جلال و جمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو خوبصورت ترجمہ کیا وہ قابل داد بھی ہے اور لائق مطالعہ بھی۔ یہ ترجمہ غالبؔ کی زندگی کے اہم دور کے بارے میں مستند معلومات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ یوں آپ کا ترجمہ غالب شناسوں کے لئے حوالہ اور سند کے کام آئے گا۔ میری طرف سے دلی مبارکباد''

ڈاکٹر سلیم اختر لاہور (پاکستان)

☆☆☆

اسی موضوع پر پہلی تالیف

نامہائے فارسی غالب

غالب کے فارسی خطوط کا اردو ترجمہ

مطبوعہ : ادارۂ یادگار غالب کراچی